56 Waaqia'h Makky Aayaath 96 (۵۶)

سُورَةُ الوَاقِعَة

یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور اسکی چھیانوے[عہ] آیتیں ہیں

ابن عباس و ابن زبیر رضی اللہ تعالی عنہما نے صراحت کی ہے کہ یہ سورت مکیہ ہے (ابن الضریس، نحاس، ابن مردویہ، بیہقی) مگر بعض مفسرین نے ثلۃ من الاولین وثلۃ من الآخرین کو اس میں سے مستثنٰی کیا ہے کہ یہ آیات مکی نہیں ہیں۔ نیز فلا اقسم بمواقع النجوم سے تکذبون تک سات آیات کو بھی مستثنٰی قرار دیا ہے۔ اور ان سات میں سے آخری دو آیات کا مستثنٰی ہونا ابن عباس و قتادہ سے بھی مروی ہے واللہ اعلم۔

سورۃ سابقہ سے مناسبت سورۃ الرحمٰن کے ساتھ اس سورۃ عظیمہ کی مناسبت یہ ہے کہ انسان کی تین قسمیں ہونا دونوں میں مذکور ہے۔

عہ یہ تعداد قراء کوفہ کے مصاحف کے لحاظ سے ہے لیکن قراء حجاز و شام کے نزدیک (۹۹) اور قراء بصرہ کے پاس اس میں (۹۷) آیات ہیں۔ (روح المعانی)

مجرمین (کفار) کی سزا اور عام مومنین اور مقربین کی نعمتوں کا بیان دونوں میں ہے چاند سورج، نباتات، انس وجن کی آفرینش، قیامت جنت، دوزخ کا ذکر بھی دونوں میں ہے البتہ ان کی ترتیب بلحاظ موزونیت ہر دو میں جداگانہ ہے۔ بہر حال دونوں سورتیں ایک ہی سلسلہ کی دو کڑیاں ہیں۔

سورۂ واقعہ کی فضیلت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ من قرأ سورۃ الواقعۃ کل لیلۃ لم تصبہ فاقۃ ابدا۔ (ابن الضریس، ابو عبید، حرث بن ابی اسامہ، ابو یعلیٰ، ابن مردویہ، بیہقی، ابن عساکر، عن ابن مسعودؓ وابن عباسؓ) جو شخص سورۂ واقعہ کو ہر رات میں پڑھ لیا کرے تو کبھی وہ فاقہ میں مبتلا نہ ہوگا۔"

یہ بھی ارشاد فرمایا:۔ سورۃ الواقعۃ سورۃ الغنی فاقرأوھا وعلموھا اولادکم۔ (ابن مردویہ عن انسؓ) سورۂ واقعہ سورۂ تونگری ہے لہٰذا تم اس کو پڑھتے رہو اور اپنی اولاد کو اس کی تعلیم دیا کرو۔"

یہ بھی ارشاد ہوا:۔ علموا نساءکم سورۃ الواقعۃ فانھا سورۃ الغنی (دیلمی عن انسؓ) اپنی عورتوں کو سورۂ واقعہ کی تعلیم دیا کرو

سورہ ۵۶ (آیت ۱ ـ ۲)

کیوں کہ وہ تونگری کا سورہ ہے"

فی زمانناہمارے مسلمان بھائی عام طور پر فقر و فاقہ میں مبتلا' اور کھانے کپڑے اور اشیائے مایحتاج کی وجہ سے پریشان ہیں۔ ان ارشادات نبویہ کے تحت روزانہ رات کو ایک دفعہ سورہ واقعہ کا پڑھ لینا' یا اوس کے معنی و مفہوم کو سمجھ کر اوس پر عمل کرنے کی سعی کرنا کچھ مشکل امر نہیں ہے۔ جو پڑھنا نہ جانتے ہوں وہ پڑھنے اور جاننے والوں سے سُن سکتے ہیں۔ اور غنیٰ و تونگری جس کا وعدہ دیا گیا ہے اوس سے مستفید ہوسکتے ہیں۔ واللہ الموفق۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع ہے اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان اور نہایت رحم والا ہے" 6-1

اِذَا وَقَعَتِ الۡوَاقِعَۃُ ۙ لَیۡسَ لِوَقۡعَتِہَا کَاذِبَۃٌ ۘ 6-2

جب آن پڑے آن پڑنے والی' نہیں اوس کے آن پڑنے میں کچھ بھی جھوٹ"

قیامت کو واقعہ کیوں کہا گیا | "واقعہ" قیامت کا نام ہے جیسے

قیامت کے اور نام بھی ہیں۔ مثلاً صاخۃ، طامۃ، آزفۃ وغیرہ
یہاں قیامت کو "واقعہ" کے نام سے یاد کرنے میں اس امر کی جانب اشارہ
مقصود ہے کہ قیامت کوئی اعتباری یا فرضی نہیں بلکہ نفس الامری اور واقعی
ہے۔ منکرین لاکھ انکار کریں اور مکذبین کتنا ہی جھٹلاتے رہیں لیکن
وہ آنے والی ہے اور اپنے معین وقت پر (جس کا علم اللہ سبحانہ کے سوا
کسی کو حاصل نہیں) آکر رہیگی۔ یہاں اس وقت کوئی انکار کرے یا جھٹلائے
لیکن جب وہ آکر رہیگی تو کوئی متنفس اوس کا منکر یا مکذب (جھٹلانیوالا)
نہ ہوگا۔ کفار و مشرکین، منافقین و ملحدین، زنادقہ اور دہریہ یہ سب ہی
اوس کو مان لیں گے۔ یہ اور بات ہے کہ یہاں انکاری رہ کر اوس عالم
مابعد الموت میں ماننا اور تسلیم کرنا اون کے حق میں مفید نہ ہوگا۔ یہ
نفخۂ ثانیہ کے بعد ہوگا۔

طلبۂ علوم عربیہ سے خطاب اذا وقعت الواقعۃ جملۂ شرطیہ ہے
اس کی جزا محذوف ہے یعنی کان کیت وکیت۔ معنی یوں ہوئے:۔
"جب واقع ہونے والی چیز وقوع پائے گی تو ایسا ہوگا اور ایسا ہوگا"
یعنی بہت بڑے اور اہم معاملات درپیش ہوں گے۔ تفصیل نہ پوچھو کہ

کیا پیش رفت ہوگی؟ ۔ بیان سے کلیجہ منہ تک آتا ہوگا۔ اور سننے سے عیش تلخ ہوجائے گا۔ دل و دماغ کانپ اوٹھیں گے۔ جب کہنے سننے کا یہ اثر ہے تو اندازہ کرو کہ اوس کے وقوع کی کیا تاثیر ہوگی؟

مختصر یہ کہ دنیا میں تو منکرین قیامت کی کمی نہیں لیکن جب وہ وقوع میں آجائے گی تو ایک متنفس بھی انکاری نہ رہیگا۔

خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۝ إِذَا رُجَّتِ الْأَرْضُ رَجًّا ۝ 56-3 56-4
وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۝ فَكَانَتْ هَبَاءً مُّنْبَثًّا ۝ وَّكُنْتُمْ 56-5 56-6
أَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ۝ پست کرنے والی، بلند کرنے والی، جب لرزے 56-7

لہ الرج تحریك الشیئ وازعاجه یقال رجه فارتج قال تعالیٰ اذا رجت الارض رجا نحو اذا زلزلت الارض زلزالها والرجرجة الاضطراب۔ (مفردات) کسی شئے کو ہلادینے اور اوس کو اپنی جگہ سے ہٹادینے کو "رج" کہتے ہیں۔ محاورہ ہے "رجه فارتج" اوس کو ہلادیا تو وہ ہل گیا"۔ ارشاد باری ہے: ۔ اذا رجت الارض رجا۔ جب زمین خوب ہلادی جائے۔ یہ آیۂ کریمہ اذا زلزلت الارض زلزالها کے ہم معنی ہے"۔

زمین کانپ کر اور چور چور ہو جائیں پہاڑ ٹوٹ پھوٹ کر پھر ہو جائیں غبار اُڑتا ہوا اور تم ہو جاؤ تین قسم پر۔"

قیامت بے پناہ انقلاب ہے | انقلابات آتے ہیں تو ایسا ہی ہوتا ہے کہ ذی عزت طبقے ذلیل ہوتے اور جو ذلیل و خوار تھے بام عروج پر آجاتے ہیں

(بقیہ حاشیہ لہ صفحہ گذشتہ)

رج الشیئ یرجہ رجا حرکہ و ھزہ فرج ھوای تحرک و اھتز لازم متعد (محیط المحیط) حرکت دینے اور ہلا دینے کو "رج" کہتے ہیں۔ یہ باب نصر سے لازم متعدی دونوں طرح آتا ہے

۲ لہ بس السویق اذ الثہ و بس الابل اذا ساقہا و فی سورۃ الواقعہ و بست الجبال بسا قیل المعنی فتتت حتی صارت کالسویق الملتوت۔ (محیط المحیط) ستو میں پانی یا گھی ملاتے ہیں تو محاورہ عرب میں کہتے ہیں: بس السویق! اور اونٹوں کو ہانکتے ہیں تو کہتے ہیں: بس الابل یعنی ستو کو کھانے کے قابل بنایا اور اونٹوں کو چلایا۔" اسی سے سورہ واقعہ کی آیہ کریمہ و بست الجبال بسا ہے کہ پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کرکے اڑا دیا جائے" یعنی ان کو ستو کی طرح باریک پسا ہوا بنا دیا جائے" جسکے بعد ہوا کے جھونکوں سے ان کا اُڑ جانا ایک معمولی سی بات ہے۔ قیامت میں ایسا ہی ہوگا **فقیر** عرض کرتا ہے جب ایسے بلند اور عظیم الشان پہاڑوں کا یہ حال ہوگا تو انسان ضعیف البنیان کس شمار و قطار میں! اور کیا ان کو سکے یہ بلند آہنگ جو موجودہ دنیا کی دو روزہ زندگی میں کر رہا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

یہ انقلاب دنیا میں اوس کے کسی ایک حصہ اور طبقہ کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے۔ قیامت کا واقعہ سارے عالم و عالمیان کا ہے۔ اوس کی عظمت و برتری کے لحاظ سے اس دن جو واقعات ظہور پذیر ہوں گے وہ ایک دہ' دس بیس کی تعداد میں محصور نہیں بے شمار حوادث عظیمہ رو نما ہوں گے۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ اوس وقت جو اپنی برتری جتاتے ہوں گے وہ ذلیل وخوار' در بدر پھرتے ہوں گے کوئی اون کا پرساں نہیں۔ اور جن کی صفت' تواضع وملنساری تھی حکم الٰہی کے آگے وہ جھکے ہوئے تھے۔ حدیث شریف میں ہے :۔ من تواضع للہ رفعہ اللہ۔ جو اللہ کے آگے جھکتا ہے تو اللہ سبحانہ اوس کا مرتبہ بلند فرماتا ہے"

خافضۃ رافعۃ کی تفسیر ابن عباسؓ فرماتے ہیں : تخفض ناساو ترفع آخرین (ابن ابی شیبہ' ابن جریر' ابن المنذر' ابن ابی حاتم' ابن مردویہ) قیامت کچھ لوگوں کو پست اور باقی ماندگان کو بلند کرے گی" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں :۔ الساعۃ خفضت اعداء اللہ الی النار و رفعت اولیاء اللہ الی الجنّۃ۔ (ابن جریر' ابن ابی حاتم) قیامت اعداء اللہ کو دوزخ کی طرف جھکا دے گی اور اولیاء اللہ کو جنت کی

طرف بلند کریگی" زید بن اسلمؓ فرماتے ہیں :۔ من انخفض یومئذ لم یرتفع ابدا ومن ارتفع یومئذ لم ینخفض ابدا۔ (ابن ابی شیبہ) جو اس دن پست ہوگیا پھر کبھی سر بلند نہ ہوسکیگا اور جو اوس دن سر بلند ہوا پھر کبھی پست نہ ہوگا" یہ صفت دنیا کے انقلابات سے قیامت کو ممتاز کرتی ہے۔

یہ اوس وقت ہوگا جب ساری زمین کپکپا جائے گی۔ اور تمام پہاڑ ٹوٹ پھوٹ کر پاش پاش، اور ریزہ ریزہ ہوجائیں گے۔ یہی نہیں بلکہ باریک پس کر غبار ہوکر ہوا میں اڑ جائیں گے۔

ھباء کی تفسیر ابن عباسؓ فرماتے ہیں :۔ الھباء الذی یطیر من النار اذا اضطرمت یطیر منھا الشرر فاذا وقع لم یکن شیئا (ابن جریر، ابن ابی حاتم) جب آگ خوب دہکنے لگتی ہے تو اوس سے چنگاریاں اڑتی نظر آتی ہیں۔ ان چنگاریوں کو ھباء کہتے ہیں جب یہ واقعہ وقوع میں آئے گا تو کوئی چیز بھی دنیا میں نہ رہے گی" ابو مالک کہتے ہیں :۔ الغبار الذی یخرج من الکوۃ مع شعاع الشمس۔ (عبد بن حمید) آفتاب کی شعاعوں کے ساتھ چھت کے روزن سے جو غبار نکلتا ہے اوس کو

"ھباءً" کہتے ہیں"۔ **فقیر** عرض کرتا ہے کہ باریک باریک ذرات مراد ہیں خواہ وہ غبار کے ہوں یا آگ کے یا اور کسی شئے کے۔

وکنتم ازواجا ثلٰثۃ کی تفسیر اوس وقت روئے زمین کے تمام انسان، خواہ وہ اولین سے ہوں یا آخرین سے تین گروہوں میں بٹ جائینگے اگرچہ دنیا میں اون کے گروہ کتنے ہی تھے۔ عالم آخرت میں سب کے سب تین گروہ ہوجائیں گے۔ جن میں سے دو گروہ جنت میں جائیں گے اور ایک دوزخ کا ایندھن بنے گا۔

لفظ "ازواج" کی تفسیر ان تینوں گروہ کو یہاں "ازواج" اس بنا پر فرمایا گیا ہے کہ یہ تینوں گروہ بوقت واحد وجود میں آئے تھے۔ یا اس اعتبار سے کہ تینوں کا بیان، ایک ساتھ آرہا ہے۔ اس لحاظ سے ہرگروہ دوسرے کا "زوج" یعنی اوس کی جوڑ، اور اوس کا ساتھی قرار پارہا ہے کہ بیک وقت دونوں کا ذکر کیا جارہا ہے۔ یہاں اس سے بحث نہیں کہ وہ ایک ہے یا دو۔ ہر ایک گروہ "زوج" ہے اس طرح قیامت میں تمام انسان، تین گروہ میں بانٹ دئے جائیں گے۔ جن کا بیان آگے آرہا ہے :۔

56-8 56-9 فَاَصۡحٰبُ الۡمَيۡمَنَةِ ۙ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡمَيۡمَنَةِ ؕ وَاَصۡحٰبُ
6-10 6-11 الۡمَشۡـَٔمَةِ ۙ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَةِ ؕ وَالسّٰبِقُوۡنَ السّٰبِقُوۡنَ ۚۙ اُولٰٓئِكَ
الۡمُقَرَّبُوۡنَ ۚ پھر داہنے والے، کیا خوش حال ہیں داہنے والے اور بائیں
والے، کیا بدحال ہیں بائیں والے، اور سبقت کرنے والے تو سبقت لے جانے
والے ہی ہیں، وہی ہیں مقرب ؛

اصحاب المیمنہ مذکورۂ بالا تین گروہ یہی ہیں اصحاب المیمنہ
ایک داہنے والا گروہ یعنی جہاں اون کو ٹھہرایا گیا ہے وہ اوسکی داہنی
سمت میں ہے۔ یا یہ کہ نامہ اعمال اون کے داہنے ہاتھ میں دیا گیا ہے
یہیں سے اون کی کامیابی اور فوز و فلاح کے آثار نمایاں ہو چکے ہیں۔
اون کی خوش حالی سننا چاہتے ہو اور اوس کا تفصیلی حال معلوم کرنا چاہتے
ہو تو ذرا صبر کرو۔ اسی مجلس میں اوس کا بیان ہو گا۔ اون کی یہ خوشحالی
کیا ہے اور کس بنا پر ہے ہم ابھی معلوم کرائے دیتے ہیں۔

اصحاب المشأمہ دوسرا گروہ اصحاب المشأمۃ بائیں والا گروہ،
یعنی جہاں ان کو ٹھہرایا گیا ہے یہ اوس کی بائیں جانب ہیں۔ یا یہ کہ
ہر ایک کا نامۂ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیا گیا ہے یہیں سے اون کی

ناکامی، شکست خوردگی، تباہی اور بربادی دکھائی دے رہی ہے۔ ان کی بدحالی دریافت کرتے ہو اور داستان سنتے ہو تو ذرا ٹھہر جاؤ۔ اس کو بھی ہم بیان کیے دیتے ہیں کہ اس کی کیا تفصیل ہے اور اس کی بنیاد کس امر پر ہے؟

کلام پاک کی بلاغت سبحان اللہ! کیا طرز بیان ہے اور کس دلچسپ اور دل نشیں انداز میں پیش ہو رہا ہے داہنے والے ہیں کہ ان کا جذبۂ اشتیاق بڑھ رہا ہے اور آتش شوق آناً فاناً تیز سے تیز تر ہو رہی ہے اور بے تابانہ محو انتظار ہیں کہ کب بیان ہوگا اور کب یہ دیرینہ آرزو پوری ہوگی۔

ادھر بائیں والے بھی ہیں کہ ان پر بدحالی اور اداسی چھائی ہوئی ہے۔ داستان غم کے نام ہی سے سہمے جا رہے ہیں۔ تمنا یہ ہے کہ اس میں جتنی بھی تاخیر ہو بس یہی غنیمت ہے۔ ع

الٰہی! قاصد ابھی نہ آئے کہ کچھ تو امید بن رہی ہے

نمی دانم حدیث نامہ چون است ہمی بینم کہ عنوانش بخون است

یہ سب کچھ ما اصحاب المیمنۃ اور ما اصحاب المشأمۃ میں کلمۂ ما کا لطف استفہام ہے کہ سوال کیا جا رہا ہے اور جواب کو آئندہ کیلئے

اوٹھار کھ کر کلام کا رُخ اور طرف پھیر دیا گیا ہے۔

سابقین تیسرا گروہ سابقین کا ہے جو صدور حکم کے منتظر رہتے اور حکم صادر ہوتے ہی اوس کی تعمیل میں دیوانہ وار اوروں پر سبقت لے جاتے تھے۔ ان کا کیا پوچھنا کہ جزائے اعمال کے موقع پر بھی یہی سبقت پارہے ہیں۔ ہر چند کہ ان کو تیسرا گروہ قرار دیا گیا تھا لیکن ان کے نتائج سب سے پہلے شائع ہو رہے ہیں۔ نتیجہ بھی کیا کہ اصحاب الیمین کو داہنی سمت میں اعزاز کے ساتھ ٹھہرائے گئے ہیں اور بہترین جزا کے امیدوار بنے ہوئے ہیں جن کو گوناگوں نعمتوں سے سرفرازی بخشی جانے والی ہے مگر سابقین سابقین ہیں۔ اصحاب الیمین ان کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ وہ انواع واقسام کی نعمتوں سے مالامال رہیں مگر سابقین کے متعلق مژدہ سنایا جارہا ہے اولٰئک المقربون مقربان بارگاہ تو یہی ہیں۔ سچ ہے من لہ المولٰی فلہ الکل۔ مولیٰ تعالیٰ جس کا ہو بس سب کچھ اوسی کا۔ ع جب تو میرا ہے تو ساقی سارا میخانہ میرا۔

ایک بہترین مثال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ اور غزوۂ حنین سے فارغ ہوئے تو جملہ مال غنیمت مہاجرین اور قریش میں تقسیم فرما دیا۔ ایک ایک قریشی کو سوسو اونٹ ملے۔ انصار کو کچھ نہ ملا۔ اس پر

بعض نوعمر انصار کچھ منقبض معلوم ہوئے تو آپؐ نے انصار کو جمع کر کے فرمایا:
انّ قریشا حدیث عھد بجاھلیّۃ ومصیبۃ وانّی اردت ان
اجیزھم واتالّفھم اما ترضون ان ترجع الناس بالدنیا و
ترجعون برسول اللہ الی بیوتکم قالوا بلیٰ۔ (بخاری عن انسؓ) بات
یہ ہے کہ قریش، اب تک جاہلیت اور مصیبت میں تھے۔ ہم نے چاہا کہ اونکو
(قبول اسلام پر) انعام دیں اور اون کی دل جوئی کریں۔ کیا تم اس سے
خوش نہیں کہ اور لوگ تو (اپنے گھر) دنیا لے جائیں اور تم " رسول اللہ"
کو اپنے گھر لے جاؤ؟ یہ سنتے ہی سبھوں نے متفق اللفظ عرض کیا۔ کیوں راضی
نہیں" (یارسول اللہ) ہم اسی پر خوش ہیں کہ ہم ساری دنیا کو چھوڑدیں
اور اپنے محبوب، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے گھر
لے جائیں۔ یہی مثال قیامت میں مقربین کی ہوگی۔

سابقین کون ہیں؟ حضور اکرمؐ نے فرمایا:۔ السابقون یوم
القیامۃ اربعۃ فانا سابق العرب، وسلمان سابق فارس،
وبلال سابق الحبشۃ، وصھیب سابق الروم۔ (عبد بن حمید)
قیامت کے دن سابقین میں چار کا شمار ہوگا۔ میں تمام عرب میں سب سے

سابق ہوں، اور سلمانؓ اہل فارس میں سب سے سابق ہیں۔ اور بلال اہل حبشہ میں سب سے سابق رہیں گے اور صہیب اہل روم میں سب سے سابق رہیں گے۔" کسی نے کیا خوب کہا: ؎

حسن ز بصرہ، بلال از حبش، صہیب از روم
ز خاک مکہ ابوجہل ایں چہ بوالعجبی ست

سابقین میں سب سے افضل کون ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نزلت فی حزقیل مومن آل فرعون، وحبیب النجّار الذی ذکر فی یٰسٓ، وعلیؓ بن ابی طالب و کل رجل منھم سابق امّتہ وعلیؓ افضلھم سبقا۔ (ابن مردویہ)

یہ آیت حزقیل کے باب میں نازل ہوئی جو مومن آل فرعون ہیں، نیز حبیب نجّار کے بارے میں جن کا ذکر سورۂ یٰسٓ میں ہے، نیز (سیدنا) علی بن ابی طالبؓ کی شان میں، نیز ہر شخص کے بیان میں جو اپنی قوم میں سب سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوا ہو۔ بہر حال سیدنا علی المرتضیٰؓ ان سب سے افضل تر ہیں کیوں کہ امتہ مرحومہ کو ساری امتوں پر فضیلت حاصل ہے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا)۔

سابقین کی تفسیر کلام پاک سے | بہترین تفسیر جس کی صحت میں کچھ کلام

نہیں وہ ہے جو تفسیر القرآن بالقرآن کے اصول پر ہو۔ اس اعتبار سے

قرآن کریم کی یہ آیہ کریمہ ہے جو سورہ توبہ میں ہے:۔ السابقون

الاوّلون من المھاجرین والانصار والذین اتّبعوھم

باحسان رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ واعدّ لھم جنّات تجری

من تحتھا الانھار خالدین فیھا ابدا ذلک الفوز العظیم۔

"سابقین وہ ہیں جو مہاجرین وانصار میں سب سے اول آئے، نیز

جنھوں نے بھلائی میں اون کا اتباع کیا، اللہ اون سے راضی اور

وہ اللہ سے خوشنود، اون کے لئے تیار کر رکھی ہے جنت، جس کے نیچے

نہریں بہتی ہیں۔ وہ اوس میں ہمیشہ رہیں گے اور یہی بڑی کامیابی ہے۔"

اس اعتبار سے سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے چالیس صحابہ

کرامؓ مراد ہوں گے جن میں چالیسویں حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ہیں۔ نیز وہ اصحاب جن کے اسماء گرامی روایات بالا میں مذکور ہیں۔

نیز اصحاب بدر و اُحد سے لیکر بیعت رضوان والوں تک، پھر عام صحابہ

و تابعین محسنین جو قیامت تک آتے رہیں گے۔ ہر خاندان وقبیلہ و ملک سے

جو ہر زمانہ میں خیر کی طرف سبقت کرتے رہے ہوں۔ ان میں اولیائے کرام ابدال، اوتاد، اقطاب، غوث، علمائے ربانیین، عرفائے کاملین، صلحائے امت سبھی شامل ہوں گے۔ جعلنا اللہ تواب اقد اھم آمین۔

تفسیر ابن کثیرؒ علامہ ابن کثیرؒ نے اس سے بھی زیادہ تعمیم فرمائی ہے۔ لکھتے ہیں: ـــ ھم الانبیآء والرسل والصدّیقون والشھداء یکونون بین ایدی ربھم عزّوجلّ۔ یعنی اس امۃ مرحومہ کی تخصیص نہیں بلکہ امم سابقہ اور قرون سالفہ میں بھی جس قدر انبیاء ورسل علیہم الصلوٰۃ والسلام، صدیقین، شہدا، وغیرہم ہوئے ہیں وہ سب خدائے عزوجل کے حضور میں پیش پیش ہوں گے۔"

فقیر عرض کرتا ہے کہ اللہ سبحانہ کی رحمت وسیع اور اوس کا لطف وفضل عام ہے۔ جب کہ آدم ومن دونہ تحت لوآئی حضور اکرم کا ارشاد ہوا ہے کہ آدم اور اون کے مابعد کے سب قیامت میں زیر لوائے احمدی علی صاحبہا الف الف سلام وتحیہ ہوں گے" تو علامہ ابن کثیرؒ کی تعمیم سے بھی اتفاق ہے۔ نیز اس کی تائید آیات مابعد سے بھی ہوتی ہے جس کا بیان آگے آرہا ہے۔

طلبۂ علومِ عربیہ سے خطاب السابقون السابقون جملہ اسمیہ خبریہ ہے پہلا السابقون مبتدا اور دوسرا السابقون اوس کی خبر ہے مبتدا و خبر میں عموماً مغائرت ہوتی ہے جبھی تو خبر کے ذریعہ کسی امر جدید کا علم و استفادہ ہوتا ہے ۔ اگر مبتدا و خبر دونوں ایک ہی کلمہ ہوں مثلاً زیدٌ زیدٌ کہا جائے تو اس سے کوئی امر جدید مستفاد نہیں ہوتا اس لئے ایسے مقامات میں کم از کم اعتباری مغائرت مان لی جاتی ہے ۔ اسی بنا پر بعض مفسرین کرام نے پہلے السابقون سے سبقت الی العمل اور دوسرے السابقون سے سبقت الی الجزاء مراد لی ہے ۔ تفسیر یوں ہوئی کہ جو لوگ عمل خیر میں سبقت کرتے ہیں اوس کی جزا میں بھی وہ سبقت پائیں گے "۔ لیکن علمائے معانی و بلاغت فرماتے ہیں کہ اگر مبتدا ایسا کلمہ ہو جو اپنے وصف کی وجہ سے قبول عام اور شہرت تمام رکھتا ہو تو اوس کی خبر میں اوسی کلمہ کا اعادہ کیا جاتا ہے جس سے یہ بتانا منظور ہوتا ہے کہ مبتدا ایسا مقبول و معروف ہے کہ اوس کو کسی دوسرے وصف کے ساتھ ظاہر کرنے کی حاجت نہیں ۔ مبتدا کا اصلی وصف ہی اوس کی فضیلت و برتری کی کافی ضمانت ہے :-

آفتاب آمد دلیل آفتاب گر دلیلت بایدا زوے سر متاب

ایک عربی شاعر کہتا ہے :۔ ع انا ابوالنجم وشعری شعری

میں ابوالنجم ہوں اور میرے اشعار کو کیا پوچھتے ہو وہ میرے اشعار ہیں"

یعنی جن کی فصاحت و بلاغت کا آوازہ ساری دنیائے شاعری میں گونج رہا ہے

اب السابقون السابقون کی تفسیر یوں ہوگی کہ سابقین کا کیا

کہنا وہ تو سابقین ہی ٹھہرے " اس میں جو لطف بلاغت ہے وہ مخفی نہیں۔

6-12
6-13
ارشاد ہے :۔ فِی جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ۝ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ۝ لا

6-14
6-15
وَقَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ ۝ عَلٰی سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ۝ لا مُّتَّكِـِٕیْنَ

6-16
عَلَیْهَا مُتَقٰبِلِیْنَ ۝ نعمت والے باغوں میں (ہوں گے) انبوہ ہے

له الثُّلَّة جماعة من الناس يقال فلان لا يفرق بين الثَّلَّة والثُّلَّة

اى بين جماعة الغنم وجماعة الناس (محيط المحيط) لوگوں کی جماعت کو

ثُلّہ کہتے ہیں۔ محاورہ عرب ہے کہ فلان لا یفرق بین الثَّلَّة والثُّلَّه۔

فلاں شخص ثَلّہ اور ثُلّہ کا فرق تک نہیں جانتا۔ ثَلّہ بالفتح کہتے ہیں

بکریوں کے ریوڑ کو اور ثُلّہ بالضم کہتے ہیں انسانوں کی جماعت کو "

پہلوں میں سے، اور تھوڑے ہیں پچھلوں میں سے" (بیٹھے ہوئے) جڑاؤ تختوں پر، تکیہ لگائے ان پر ایک دوسرے کے سامنے"

جنّت النعیم کی تفسیر سبھی کہتے ہیں نعمت نعمت لیکن اوس کے معنی کیا ہیں؟ علامہ سید شریف جرجانیؒ فرماتے ہیں: — النعمة هي ما قصد به الاحسان والنفع لا لغرض ولا لعوض (تعریفات) "نعمت" وہ ہے جس سے صرف احسان اور نفع رسانی مقصود ہو۔ اسمیں مُنعِم کی کوئی غرض شامل نہ ہو اور نہ اوس کو منعَم علیہ سے کوئی معاوضہ مطلوب ہو" خداوند تعالیٰ شانہ کی نعمتوں کا یہی حال ہے یہ اور بات ہے کہ منعَم علیہ اس انعام پر اپنے منعِم کا شکر ادا کرے۔ یہ منعَم علیہ کی شرافت نفس ہے کہ

(بقیہ حاشیہ ۲؎ صفحہ گذشتہ)

۲؎ الوضن نسج الدرع ویستعار لکل نسج محکم قال علی سرر موضونة۔ (مفردات) زرہ کی بنوٹ کو وضن کہتے ہیں اور استعارہ کے طور پر ہر مضبوط بنوٹ کو وضن کہا جاتا ہے۔ علی سرر موضونة میں بھی یہی مراد ہے" مضبوط بافت یا مضبوط ساخت والے تختوں پلنگوں پر۔ جن کے ڈھیلے پڑ جانے یا ٹوٹنے کا اندیشہ نہیں ہو سکتا۔

اوس کے دل میں جذبہ سپاس گزاری پیدا ہوتا ہے اور وہ اوس کا شکر
ادا کرتا ہے مگر منعم کے مقصد کو اس میں کچھ بھی دخل نہیں۔ اب اون جنتوں کا
اندازہ کیجئے جہاں نعمتیں ہی نعمتیں ہوں اور کثرتِ نعم ہی کی بدولت اون کا نام
جنّٰت النعیم قرار دیا گیا ہو۔ یہ جنتیں مقربان بارگاہ کی ہوں گی جن کا
بیان اوپر گزرا۔

ثُلَّۃ من الاولین کی تفسیر | یہ مقربین اگلوں میں بہت اور پچھلوں میں
تھوڑے ہوں گے۔ یہ اگلے اور پچھلے اگر امت مرحومہ ہی کے مراد لئے جائیں تو
معنی ظاہر ہیں کہ امت مرحومہ کے اگلے طبقات، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم کے فیض صحبت، اور قرب عہد کی برکت سے بکثرت، دولت تقرب سے
سرفراز ہوں گے۔ پچھلوں میں بھی مقربین بارگاہ ہوں گے لیکن اوس کثرت سے
نہیں جو قرون اولی کو نصیب ہوئی۔ حضور انور نے فرمایا: خیر القرون
قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم۔ بہترین عہد میرا عہد ہے
پھر اُن کا جو اِن سے متصل ہوں، پھر اُن کا جو اِن سے متصل ہوں۔ یعنی
اسی طرح ہر قرن کے لوگ، سلسلہ بہ سلسلہ، تا قیام قیامت۔

تناسب تقرب اور تناسب تعداد | اس تناسب تقرب کے لحاظ سے یہ

لازم نہیں کہ تناسب تعداد کے لحاظ سے بھی پچھلے لوگ اگلوں سے کم ہوں۔ اس کا مفہوم یوں سمجھا جائے کہ اگلوں میں مثلاً صد فی صد مقربین ہوتے تھے تو زمانہ مابعد میں (۷۵) پھر اوس کے مابعد زمانہ میں (۵۰) وغیرہ، مگر زمانہ ترقی کررہا ہے، نسل انسانی بڑھتی جارہی ہے۔ زمان برکت نشان نبوت میں مسلم آبادی مثلاً پانچ لاکھ تھی۔ اور آپؐ کے فیضان یافتہ اصحاب صد فی صد مقربین تھے تو عہد صدیقی میں، آبادی مثلاً پچاس لاکھ ہوگئی کیونکہ مسلمانوں کی اولاد بھی بڑھی۔ اور ممالک بھی فتح ہوئے۔ گو تناسب تقریب (۷۵) فی صد رہے مگر تناسب آبادی کے لحاظ سے بعد والوں کی تعداد مقربین، (۳۷،۵۰۰۰۰) سینتیس لاکھ، پچاس ہزار ہوگی۔ علیٰ ہذا القیاس۔

دوسری تفسیر اگر علامہ ابن کثیرؒ کی تفسیر کے لحاظ سے ہر نبی کے فیضان یافتہ اور اون کے بعد والوں کو بھی اس آیہ کریمہ کا مخاطب سمجھا جائے تو اون کا حال بھی اسی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ راست فیضان حاصل کرنیوالوں کا تناسب فی صدی بعد والوں کے نظر کرتے زیادہ ہوگا۔ اسی لئے ارشاد ہوا:

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ۔ (مقربین) اگلے لوگوں میں انبوہ ہے اور پچھلوں میں تھوڑے ہیں۔" یہ مقربین کا بیان تھا۔

اہل جنت میں امۃ مرحومہ کا تناسب اہل جنت کی نسبت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی لارجوان تکونوا ربع اھل الجنۃ ثلث اھل الجنۃ بل انتم نصف اھل الجنۃ او شطر اھل الجنۃ و تقاسمونھم فی الشطر الثانی۔ (امام احمدؒ، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "مجھے امید ہے کہ تم کل اہل جنت کے چوتھائی ہوں گے۔ (پھر فرمایا) تم اہل جنت میں ایک تہائی ہوں گے۔ (پھر ارشاد ہوا) بلکہ تم اہل جنت میں نصف ہوں گے۔ اور مابقی نصف میں دوسروں کے ساتھ شامل ہوکر اس کو بانٹ لوگے۔"

کہتے ہیں کہ آیہ کریمہ قلیلٌ من الاٰخرین نازل ہوئی تو صحابۂ کرامؓ آزردہ خاطر ہوگئے اس خیال سے کہ اولین کا تو گروہ کثیر، اور آخرین سے تھوڑے۔ اگرچہ یہ آیہ کریمہ مقربین کے باب میں تھی اور اصحاب الیمین کے باب میں آیات کریمہ ثلۃ من الاولین و ثلۃ من الاٰخرین آگے آرہی ہیں مگر اس وقت تک یہ آیات کریمہ نازل نہیں ہوئی تھیں۔ اس لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ صراحت فرمادی کہ تم ربع اہل جنت، بلکہ ثلث

بلکہ نصف ہوں گے۔ یہ نصف تو بلا نزاع تمھارا ہوگا۔ رہا دوسرا نصف
اوس میں بھی تم امم سابقہ کے شریک وسہیم رہو گے اور اوس کی تقسیم تم میں اور
امم سابقہ میں ہوگی۔ اسی وجہ سے دیگر روایات میں آیا ہے کہ امۃ مرحومہ
کل اہل جنت میں دو ثلث ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

اولین وآخرین کا فرق اسی طرح اولین وآخرین کا فرق بھی سمجھ لینے کے
قابل ہے۔ ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔
اے کاش! میں اپنے بھائیوں سے ملا ہوتا۔ صحابہؓ نے عرض کیا: حضور! کیا
ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں؟ ارشاد ہوا تم تو میرے اصحاب ہو (تم سے تو ملاقات
کر چکا) میں اپنے اخوان (بھائیوں) کو یاد کر رہا ہوں (جن سے میں اب تک نہ مل سکا۔) صحابہ نے
عرض کیا:۔ اون میں اور ہم میں کیا فرق ہے؟ ارشاد ہوا کہ تم نے مجھ سے معجزہ
طلب کیا۔ جدال وقتال کیا۔ جب ہر طرح مغلوب ہوئے تو ایمان لائے وہ
نہ معجزہ طلب کریں گے۔ نہ بحث کریں گے نہ لڑیں گے۔ بلکہ میری دعوت پر
لبیک کہیں گے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ فرض کرو عمل کے دس حصے ہیں۔
تم نے نو حصے عمل کیا۔ اور ایک حصہ ضائع کیا تو تم سے اس کی نسبت سوال
ہوگا۔ اون کا یہ حال ہوگا کہ اگر وہ نو حصے عمل کے چھوڑ کر ایک حصہ پر بھی

عمل کریں گے تو اون کی نجات ہوگی " اھ واخناله الفداء صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

شانِ مقربین مقربین کی شان یہ ہوگی :۔ عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ۔ جڑاؤ زرنگار تختوں پر ہوں گے تکیہ لگائے ہوئے آمنے سامنے " یعنی نشستیں ایسی ہوں گی کہ ایک کی طرف دوسروں کی پیٹھ نہ ہو یہ علامت اعراض کی ہے بلکہ باہم مواجہہ ہوگا کہ ہمکلامی کا موقع ملے ۔ یہ جڑاؤ زرنگار تخت پتہ دے رہے ہیں کہ وہ ایسے عالی شان ہوں گے تو اون پر جو فرش کیا جائے گا' اور مسندیں لگائی جائیں گی وہ کیسی بلند پایہ ہوں گی ۔ اور انہی لوازم سے مقربین کی رفعت شان ظاہر ہورہی ہے کہ وہ خود کیسے عالی مرتبت ہوں گے ۔ نیز اون کو جو صحبتیں نصیب ہوں گی ۔ کبھی تو اپنے ہم نشینوں کے ساتھ کبھی ملائکہ کرام روحانیین' قدوسیین' کروبیین کبھی حضرات انبیاو رسل علیٰ نبینا وعلیہم الصلاۃ والسلام' اور کبھی قرب باری عز اسمہٗ ۔ یہ مقربین کے مجالس اور جلوات ہیں ۔ سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ ۔ کیا ہی پاک اور مقدس ہے ہمارا پروردگار جو تمام فرشتوں اور روحانیین کا بھی رب ہے " اس قرب ووصال کا لطف تو وہی جانیں

جولذتِ قُرب سے آشنا ہوں۔

آگے ارشاد ہے:۔ يَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ ۝ 56-17
بِأَكْوَابٍ وَأَبَارِيقَ ۝ وَكَأْسٍ مِّن مَّعِينٍ ۝ لَّا يُصَدَّعُونَ 56-18 56-19
عَنْهَا وَلَا يُنزِفُونَ ۝ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُونَ ۝ وَلَحْمِ 56-20 56-21
طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ ۝ لئے پھرتے ہیں اون کے پاس لڑکے ہمیشہ
رہتے والے، آبخورے اور کوزے اور پیالہ نتھری شراب کا، جس سے
نہ سر دُکھے اور نہ بکواس لگے، اور میوہ جونسا پسند کریں، اور گوشت
پرندوں کا جس قسم کو جی چاہے۔"

ظروفِ جنّت ظروف جنت کا سلیقہ سُبحان اللہ۔ پانی پینے کے جدا کہ اون کو دستہ اور ٹوٹی کی ضرورت نہیں، رسیلے مرکب شربتوں کے جداگ ان میں جو ظروف بڑے ہیں جن میں شربت بھر بھر کر لایا جاتا ہے اون کے دستے بھی لگے ہوتے ہیں اور ٹوٹیاں بھی۔ اور جو چھوٹے ہیں جن میں شربت کا استعمال کیا جاتا ہے اون کو صرف دستے لگائے گئے ہیں ٹوٹی کی حاجت نہیں اس کے علاوہ شراب کے جام، ساغر، صراحی، خُم جدا ہیں۔ کأس وہ پیالہ جس میں شراب بھری ہو۔ اگر خالی ہو تو اوس کو قدح کہا جائے گا۔ یہاں

بتانا منظور ہے کہ کأس (بھرا پیالہ) پیش کیا جائے گا۔ یہ نہیں کہ قدح (خالی پیالہ) سامنے لاکر اوس کو پُر کیا جائے۔ انتظار کی اتنی زحمت بھی نہ ہوگی۔ **فقیر** عرض کرتا ہے کہ یہاں اکواب و اباریق بصیغہ جمع اور کأس بصیغۂ مفرد لانے میں غالباً اس جانب اشارہ مقصود ہے کہ وہ شراب ایسی اعلیٰ و الطف ہوگی کہ اوس کا صرف ایک پیالہ بلکہ ایک جُرعہ ہی کافی ہوگا۔ واللہ اعلم۔

شراب فجور و شراب طہور دنیا میں بھی شراب تھی یعنی شراب فجور، جس کی نسبت حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ فی الخمر اربع خصالٍ المسکر والصداع والقیئ والبول ولیست فی خمر الجنۃ بل ھی لذۃ بلا اذی۔ شراب میں چار قباحتیں ہیں۔ نشہ، درد سر، قے اور پیشاب، شراب جنت میں ان میں سے ایک بھی نہیں۔ بلکہ اوس میں لذت ہی لذت ہے۔ تکلیف نام کو نہیں، کیوں نہ ہو یہ شراب طہور ہے " لَا يُصَدَّعُونَ عَنۡهَا کی یہ تفسیر ہوئی۔ اس کے علاوہ شراب دنیا کا یہ حال ہے کہ انسان اوس کو پی لینے کے بعد کم از کم بکواس کرنے لگتا ہے وہ گالی گلوچ (فحش گوئی) لڑائی جھگڑا، فحش کاری اور قتل سے بھی نہیں چوکتا۔

اکثر جرائم اسی ام الخبائث کے نتائج ہوتے ہیں جو دنیا ہی میں انسان کو سزایاب اور بے آبرو و مفلس کرکے رہتے ہیں۔ شراب خوار آخر کار اپنی عمر طبیعی کو پہنچنے تک نہیں پاتا کہ وہ خرابیٔ جگر وغیرہ مہلک امراض میں مبتلا ہوکر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرجاتا ہے۔ مگر شراب جنت کی صفت ہے وَلَا يُنْزِفُوْنَ۔ یعنی اوس کے پینے والے بکواس تک نہیں کرنے پاتے چہ جائیکہ یہ شراب کسی اور طرف لے جائے۔

شراب طہور کے لوازم | ایک طرف وَ فَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ رنگ برنگ کے، قسم قسم کے، طرح طرح کے خوشبودار نفیس تازہ اور رسیلے میوے پیش ہیں۔ جتنے چاہیئے کھائیے اور جس کا چاہیے انتخاب کیجئے۔ دوسری طرف وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ پرندوں کا گوشت ہے اقسام کے پرندوں کا۔ ظاہر ہے کہ گوشت کے اقسام میں پرندوں کا گوشت ہی زیادہ لذیذ اور خوشگوار ہوتا ہے دنیا دار اہل تنعم تیتر سے لے کر شتر مرغ تک اقسام و انواع کے پرندے، استعمال کرتے تھے آج اہل جنت کی صرف تفریح طبع کا انتظام ہے لحم طیر ایک طرف اور فاکھہ خیر ایک طرف مہیا ہے۔ اہل تنعم تک کے لئے جو بات

نصیب نہ تھی آج ارباب قرب و وصال' اون سے مالا مال ہیں۔ وہ
پرندے ایسے کہ مالا عین رأت' ولا اذن سمعت' ولا خطر
علی قلب بشر۔ جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کے کان اون کے
نام سے آشنا ہوئے نہ کبھی اون کا خیال تک دل میں گزرا" دنیا کے
پرندے تھے کہ کسی کی صورت اچھی تو کسی کی آواز بھلی' کسی کا گوشت
خوش ذائقہ' کسی کی پرواز قابل دید۔ مگر طیور جنت ہیں کہ سارے
صفات ان میں جمع ہیں۔

ولدانٌ مخلّدون کی تفسیر ولدان جمع ہے ولید کی۔ اس سے
نابالغ بچے مراد ہیں۔ جن کی چال' ڈھال' اچھل کود' مشہور بات ہے۔
مشروبات وفواکہ اور لحم طیر کے طبق کی ان کے ذریعہ تقسیم اس لیئے ہے کہ
نابالغ بچے ایسے کام میں بہت چست وچالاک ہوتے ہیں اور نہایت پھرتی
کے ساتھ اپنا کام انجام دیتے ہیں۔ خصوصاً جب کہ وہ حسین وجمیل' پاکیزہ
لباس پہنے ہوئے خوشی خوشی کھانے پینے کی چیزیں علی الخصوص میوہ مٹھائی
تقسیم کر رہے ہوں تو ان چیزوں کا لطف دوبالا ہوجاتا ہے۔ ان کی صفائی
پاکیزگی' خوبصورتی کا بیان کسی اور جگہ آئے گا۔ یہاں چونکہ تقسیم شدنی

تحائف کا بیان ہے اس لئے ولدان کی صفات کا یہاں بیان نہیں کیا گیا تاکہ تقیم شدنی نعمتوں کی طرف سے توجہ دوسری جانب مائل نہ ہو۔ البتہ ولدان کی ایک صفت بیان فرمائی گئی مخلدون۔ اس میں یہ تبلانا ہے کہ ان کی حالت، ولدانِ دنیا سے مغائر ہے۔ دنیا بھر کے نابالغ، آج کے بچے، کل کے بڑے ہوتے ہیں لیکن ولدان جنت کی صفت یہ ہے کہ وہ ہمیشہ ولدان ہی رہیں گے۔ ان نعمتوں کے بعد حورعین کا ذکر آرہا ہے۔

وَحُوْرٌ عِيْنٌ ۙ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ۚ جَزَآءً 56-22
بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ اور عورتیں، گوری، بڑی آنکھوں والیاں 56-23
جیسے موتی کے دانے اپنے غلاف کے اندر، بدلہ اُن کاموں کا جو 56-24
کرتے تھے۔"

حورعین کی تفسیر میووں اور شربتوں کے بعد، مقربین بارگاہ کے لئے "حورعین" کا سامان کیا گیا ہے جن کی صفت عروس القرآن سورۃ الرحمٰن میں بیان ہوئی۔ یہاں صرف اون کی سیاہ پتلی والی آنکھوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ گوری خوبصورت عورت کی آنکھیں اگر بڑی بڑی اور

سیاہ پتلیوں والی ہوں اون کی وضعداری اور بانکپن کا اندازہ کرلیا جائے آنکھوں کی سپیدی غلاف دار موتی کی طرح صاف وشفاف ہو تو ان آنکھوں کا بھی کیا پوچھنا۔ پھر جن کی نظر اغیار پر نہ پڑی ہو تو اہل جنت میں سے جس کے لئے ایسی پاکیزہ سیرت خوب صورت عورتیں مہیا ہوں یہ اون کی کمال خوش نصیبی ہے۔ یہ سب کچھ اون اعمال صالحہ کی جزا ہے جو وہ دنیا میں کرتے تھے۔ جزآءً بما کانوا یعملون۔ سابقین الی الخیرات تھے کہ ہر کام میں اون کی نظر اللہ سبحانہ کی رضا وخوشنودی پر تھی۔ آج اللہ سبحانہ کی طرف سے ان کی رضا جوئی اور خوشنودی کا اہتمام ہو رہا ہے۔

نساء جنت کے اوصاف یحیٰی بن معاذ فرماتے ہیں: اخطب زوجۃ لا تسلبھا منك المنایا واعرس بھا فی دار لا یخربھا دوران البلایا واسبك لھا حجلۃ لا یحرقھا نیران الرزایا۔ ایسی زوجہ کو پیام دیجئے جس کو موت کا پنجہ تم سے چھین نہ سکے۔ اور ایسے مکان میں اوس عروس نوبہار کو لاؤ جس کو گردش بلایا ویران نہ کرسکے اور اوس کے لئے ایسا خلوت خانہ تجویز کرو جس کو تکلیف دہ آگ خاکستر نہ کرسکے۔" مطلب یہ کہ پیام دنیا کی عورتوں کو بھی دیا جاتا ہے مگر موت

دلہا دلھن دونوں کے سر پہ کھڑی ہے نہ معلوم کس وقت آن پہنچی ہو
دنیا میں عالیشان قصر اور محلات تعمیر کئے جاتے ہیں۔ اگر بستیاں
اجڑنے کا وقت آچکا ہے تو چشم زدن میں وہ مسمار ہو کر رہیں گے۔ شب
عروسی جس آرائشی مقام میں گزاری جاتی ہے اوس کی سلامتی کی بھی
یہاں کوئی ضمانت نہیں۔ پھر ایسی فانی دنیا میں عیش ہی کیا؟
اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اللّٰھم لا عیش الا عیش الآخرۃ۔ الٰہی! عیش تو بس آخرت ہی کا
عیش ہے"۔ مبارک ہیں وہ ہستیاں جنھوں نے دنیا اور اوس کے
عیش کو حاصل زندگی نہ قرار دیا۔ دنیا کی ہر چیز پر آخرت کو ترجیح دی۔
اور ہر کام میں رضائے حق کے متلاشی رہے۔

6-25 **سلماً سلماً کی تفسیر** لا یسمعون فیھا لغوا ولا تاثیما ٥ الا
6-26 قیلاً سلماً سلماً۔ وہاں پر لغویت کا نام تک نہیں اب کوئی سنے تو
کہاں سے سنے۔ اور نہ کوئی ایسا کلام سن سکیگا جس میں گناہ کا کوئی شائبہ
ہو، نہ جھوٹ، نہ غیبت، نہ بہتان تراشی، نہ سوء کلامی، وغیرہ وغیرہ۔
ہاں اگر کوئی نغمہ سنائی دیگا تو ہر طرف سے سلاموں اور سلامیوں کا نغمہ

سنائی دیتا ہوگا۔ سلامٌ قولاً من رب رحیم، سلامٌ علیٰ نوح فی العالمین، سلامٌ علیٰ ابراھیم، سلامٌ علیٰ موسیٰ وھارون سلامٌ علیٰ آل یاسین، سلامٌ علی المرسلین، سلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ انّ اللہ وملائکتہٗ یصلّون علی النبی، ھوالذی یصلّی علیکم وملائکتہٗ یہ ہے سابقین کا اعزاز، جو مقربان بارگاہ بے نیاز ہیں۔ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ یہاں سلامتی ہی سلامتی ہے۔ نہ دکھ درد ہے، نہ ضعف پیری، نہ حوادث زمانہ اور نہ فنا و موت۔

سبقت کے اسباب یہاں یہ معلوم کرنا بھی ضروری ہے کہ حیاتِ دنیا میں کن امور کی طرف سبقت کرنے کی ضرورت ہے جس کی بدولت یہ قرب و وصال نصیب ہو۔ اس کی نسبت حسب ذیل اقوال ہیں:۔

سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں:۔ السابقون الی الصلوات الخمس، وہ پنجگانہ نمازوں میں سبقت کرنے والے ہیں"۔ یعنی اول وقت آنے والے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ اوّل من یھجر الی المسجد

واٰخرمن یخرج منه ۔ (ابونعیم دیلمی بروایت مرفوعہ) مسجد کو اول وقت آنے والے اور آخر میں وہاں سے جانے والے۔"

عبادہ بن ابی سودہؒ کہتے ہیں:۔ بلغنا انّھم السابقون الی المساجد والخروج فی سبیل اللّٰہ عزّوجلّ۔ (عبدبن حمید ابن المنذر) ہم کو یہ روایت پہنچی ہے کہ وہ مسجدوں کو آنے میں سبقت کرنے والے اور راہ خدا میں جلد نکلنے والے ہیں۔" یہاں "فی سبیل اللّٰہ" بظاہر عام ہے خواہ جہاد ہو یا طلب علم دین' یا اور کوئی کار خیر' اگرچہ جہاد فی سبیل اللّٰہ پر اس کا اطلاق عموماً ہوتا ہے۔

ضحاکؒ کہتے ہیں:۔ ھم السابقون الی الجھاد۔ جہاد میں پیش پیش رہنے والے ہی مراد ہیں۔"

ابن جبیرؒ فرماتے ہیں:۔ ھم السابقون الی التوبة واعمال البر۔ وہ توبہ اور کارہائے خیر میں سبقت کرنے والے ہیں۔"

کعبؒ کہتے ہیں:۔ ھم اھل القرآن۔ سابقین سے "اہل قرآن" مراد ہیں یعنی اس کو پڑھنے' پڑھانے والے۔

حدیث شریف میں ہے:۔ سئل عن السابقین فقال ھم الذین

اذا اعطوا الحق قبلوہ واذا اسئلوہ بذلوہ وحکموا للناس کحکمھم لانفسھم۔ (بحر) سابقین کے باب میں آپؐ سے دریافت کیا گیا تو ارشاد فرمایا:۔ سابقین وہ ہیں جن کو حق دیا جائے تو وہ اوس کو مان لیتے اور قبول کر لیتے ہیں۔ اور جب اون سے حق طلب کیا جائے تو وہ اوس کو دیدیتے ہیں۔ اور لوگوں کے لئے وہی فیصلہ کرتے ہیں جیسا کہ اپنی ذات کے لئے حکم کرتے ہوں۔"

ایک قول یہ ہے:۔ الناس ثلاثۃ فرجل ابتکر الخیر فی حداثۃ سنّہ ثمّ دام علیہ حتی خرج من الدنیا فھذا ھو السابق ورجل ابتکر عمرہ بالذنب وطول الغفلۃ ثم تراجع بتوبتہ فھذا صاحب الیمین، ورجل ابتکر الشر فی حداثۃ سنّہ ثم لم یزل علیہ حتی خرج من الدنیا فھذا اصاحب الشمال۔ (روح المعانی) لوگ تین طرح کے ہیں۔ ایک شخص وہ ہے جو اوائل عمر ہی سے اچھے کام میں لگا رہا اور دنیا سے رخصت ہونے تک اوسی حال پر قائم رہا۔ یہ سبقت کرنے والا ہے۔ دوسرا وہ جس کی اوائل عمری گناہوں اور غفلت میں گزری، پھر توبہ کر کے خیر کی طرف لوٹ آیا۔ یہ اصحاب الیمین سے ہے۔

تیسرا وہ جو شروع سے ہی برائی کرتا گیا تا آنکہ وہ دنیا سے رخصت ہو گیا یہ اصحاب الشمال سے ہے۔"

ابن کیسانؒ فرماتے ہیں:۔ انھم المسارعون الی کل ما دعا اللہ تعالی الیہ۔ سابقین' وہ ہیں جو اللہ سبحانہ تعالیٰ کی ہر دعوت پر فوراً لبیک کہتے ہیں"۔ بعض اصحاب نے علی العموم اسی قول اخیر کو ترجیح دی ہے۔ واللہ اعلم

بہرحال یہ چند اقوال اور روایات ہیں۔ ان کو یہاں اس لئے ایک جگہ جمع کر دیا گیا تا کہ ہم میں سے ہر شخص اپنی اپنی ہمت کے مطابق' ان تمام اقوال و روایات پر عامل ہو یا ان میں سے بعض پر یا کم از کم کسی ایک وصف پر قائم رہ کر اپنی عاقبت درست کرلیں۔ واللہ الموفق۔

آگے اصحاب الیمین کا بیان آرہا ہے۔ ارشاد ہے:۔ وَاَصۡحٰبُ 6-27
6-28
الۡیَمِیۡنِ ۙ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡیَمِیۡنِ ؕ فِیۡ سِدۡرٍ[1] مَّخۡضُوۡدٍ ۙ وَّ طَلۡحٍ[2] مَّنۡضُوۡدٍ ۙ 6-29
6-30
6-31
وَّ ظِلٍّ مَّمۡدُوۡدٍ ۙ وَّ مَآءٍ مَّسۡکُوۡبٍ ۙ وَّ فَاکِہَۃٍ کَثِیۡرَۃٍ ۙ لَّا 5-32
5-33
مَقۡطُوۡعَۃٍ وَّ لَا مَمۡنُوۡعَۃٍ ۙ وَّ فُرُشٍ مَّرۡفُوۡعَۃٍ ؕ اور داہنے والے 5-34

[1] "سدر" کی تحقیق سورۂ والنجم کی تفسیر میں "سدرۃ المنتہیٰ" کے تحت گزر چکی۔

کیا کہنے داہنے والوں کے' (رہتے ہیں) بیر بن میں جہاں کانٹا نہیں'

(بقیہ حاشیہ ۲ صفحہ گذشتہ)

۲ خضد العود رطباً او یابساً یخضدہ خضداً کسرہ و لم یبن او ثناہ من غیر کسر و البعیر عنق آخر ثناہ' والشیئ قطع' والشجر قطع شوکہ۔ (محیط المحیط) خضد فعل متعدی باب ضرب سے آتا ہے۔ اس کا مفعول عود (لکڑی) ہو خشک یا تر تو اوس کو توڑ دینے یا اوس کو جھکا دینے کے معنی ہوں گے۔ مگر شرط یہ ہے کہ ٹکڑے جدا نہ ہونے پائیں۔ اور بل دینے یا مروڑنے میں ٹوٹنے نہ پائے۔ اگر اس کا مفعول بعیر (اونٹ) ہو معنی ہوں گے کہ اوس کی گردن مروڑ دی۔ اور اگر شیئ (چیز) اوس کا مفعول ہو تو اوس کو کاٹ دینے کے معنی ہوں گے۔ اور اگر شجر (درخت) اوس کا مفعول ہو تو اوس کے کانٹے کاٹ دینے کے معنی ہوں گے۔" **فقیر** عرض کرتا ہے کہ یہاں معنی آخر ہی مراد ہیں۔

۳ الطلح مصدر و شجر عظام من شجر العضاہ ترعاھا الابل والطلع والموز۔ (محیط المحیط) طلح مصدر ہے (باب فتح سے تھکا دینے کے معنی میں آتا ہے) اور بڑے بڑے درختوں کو بھی کہتے ہیں۔ جو کانٹے دار ہوں جس کو اونٹ کھاتے ہیں۔ کھجور کے پھول کو بھی کہتے ہیں اور موز کو بھی۔" **فقیر** عرض کرتا ہے کہ یہاں

اور کیلے (موز) تہہ پر تہہ، اور سایہ دراز، اور پانی بہتا، اور میوہ بہت، نہ ٹوٹا ہوا اور نہ کوئی رکاوٹ، اور بچھونے اونچے "

طلبۂ علوم عربیہ سے خطاب سابقہ آیات کریمہ میں اصحاب المیمنۃ ما اصحاب المیمنۃ جو اجمالاً ارشاد ہوا تھا اب اوسی کی تفصیل بیان ہو رہی ہے۔ اس میں بلاغت کلام پاک یہ ہے کہ تعبیر دوسرے نہج پر فرمائی گئی ارشاد ہو رہا ہے :۔ واصحٰبُ الیمین ما اصحٰبُ الیمین۔ اس سے ایک فائدہ تفنُّن کلام کا ہوا کہ متکلم فصیح و بلیغ جب ایک مضمون کو دوبارہ بیان کرتا ہے تو اسلوب بیان کو بدل دیتا ہے تاکہ سننے والا زیادہ شوق

(بقیہ حاشیہ ۳ صفحہ گذشتہ)

معنی آخری مراد ہیں۔

۴ نضد المتاع ینضدہ نضدا جعل بعضہ فوق بعض والمتاع منضود و نضید۔ (محیط المحیط) نضد المتاع محاورۂ عرب اوس وقت استعمال کیا جاتا ہے جبکہ ایک کو ایک پر جمایا جائے" اسم مفعول منضود اور نضید آتا ہے "

۵ السکب المشدید الجری۔ (محیط المحیط) خوب بہنے کو سکب کہتے ہیں" مسکوب اسی سے صیغہ اسم مفعول ہے۔

کیساتھ متوجہ ہو۔ دوسرا فائدہ اس میں یہ ہے کہ میمنہ صیغہ اسم ظرف تھا یعنی وہ جگہ جو داہنی جانب واقع ہے۔ اس میں یہ اشارہ مقصود تھا کہ قیامت میں لوگوں کے جو تین گروہ بنائے گئے تھے اون کا امتیاز بادی النظر میں ہر ایک کے ٹھہرائے جانے کے مقام ہی سے ظاہر ہو جائے گا۔ اور اب جب کہ تفصیل بیان ہو رہی ہے اصحاب الیمین فرمایا گیا۔ یمین صیغہ اسم ظرف نہیں اس کے معنی صرف "داہنے" کے ہیں۔ یہاں یہ اشارہ مقصود ہے کہ ان کا امتیاز دوسرے گروہوں سے صرف باعتبار مکان و مقام نہیں بلکہ باعتبار اوس سلوک کے بھی ہے جو اون کے ساتھ کیا جائیگا۔ اسی طرح اصحٰب المشئمۃ اور اصحاب الشمال کا فرق سمجھ لیا جائے۔ (تفسیر کبیر)۔

سدر مخضود کی تفسیر ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انتظار رہتا تھا کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کسی اعرابی کو بھیجدے تاکہ وہ آپؐ سے کچھ دریافت کرے اور آپؐ اوس کی تشفی فرمائیں تو ہمارے معلومات میں اضافہ ہو۔ (ہم کو آپؐ سے پوچھنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی) چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ

ایک اعرابی نے آپؐ سے عرض کیا: ۔ یا رسول اللہ! لقد ذکر اللہ تعالیٰ
فی القرآن شجرۃ موذیۃ وما کنت اری ان فی الجنۃ شجرۃ تؤذی
صاحبھا۔ یا رسول اللہ! اللہ سبحانہ تعالیٰ نے قرآن میں ایک ایذا رساں
درخت کا ذکر فرمایا ہے۔ اور میرا خیال تک نہ تھا کہ جنت میں کوئی ایسا درخت بھی
ہوگا جو وہاں کے رہنے والوں کی ایذا کا باعث ہو۔" حضورؐ نے دریافت
فرمایا: ۔ وما ھی وہ کونسا درخت ہے؟ اعرابی نے کہا: ۔ السدر
فان لہ شوکا۔ وہ بیری کا درخت ہے جس کے کانٹے ہوتے ہیں"۔ اس پر
ارشاد مبارک ہوا: ۔ الیس اللہ یقول فی سدر مخضود خضد اللہ
شوکہ فجعل مکان کل شوکۃ ثمرۃ وان الثمرۃ من ثمرہ
تفتق عن اثنین وسبعین لونا من الطعام ما فیھا لون یشبہ
الآخر۔ (حاکم بروایت صحیح بیہقی) کیا اللہ نے فی سدر مخضود نہیں فرمایا
کہ اللہ سبحانہ نے اوس کے تمام کانٹے دور کردیے ہیں اور ہر کانٹے کی جگہ
ثمرہ پیدا کیا ہے اوس کے ایک ایک پھل میں (۷۲) ذائقے ہیں جو ایک دوسرے سے
نہیں ملتا ہے"۔

طلح منضود کی تفسیر | مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جنت میں موز کے درخت

رہوں گے جن کا ثمرہ تہ بتہ نیچے سے اوپر تک اس طرح ہوگا کہ درخت کی تنہ نظر تک
نہ آئے گی۔ پورا درخت صرف میوہ سے ڈھکا ہوگا طلح سے "موز" مراد ہونا حضرت
سیدنا علیؓ ابن عباس، ابوہریرہ، ابوسعید خدری، حسن بصری، مجاہد، قتادہ رضی اللہ
عنہم سے مروی ہے۔ حسن بصریؒ سے ایک روایت اور ہے جس میں آپ فرماتے
ہیں:۔ لیس بالموز ولکنہ شجر ظلہ بارد رطب۔ وہ موز نہیں بلکہ ایسا
درخت ہے جس کا سایہ ٹھنڈا اور مرطوب ہوگا۔" سُدیؒ کہتے ہیں:۔ شجر
یشبہ طلح الدنیا لکن لہ ثمر احلیٰ من العسل۔ وہ ایسا درخت ہے جو
دنیا کے موز کا ہم شکل ہے۔ مگر اس کا ثمرہ شہد سے بھی شیریں تر ہوگا۔"

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ طلح کے معنی لغت میں موز اور ببول دونوں
آئے ہیں۔ اس کی تعیین کہ یہاں کیا مراد ہے؟ اس بارے میں کوئی حدیث
مرفوع وارد نہیں ہوئی۔ اور عرب کا ریگستان، اور وہاں کی گرمی مشہور ہے
اس لئے بعض مفسرین نے طلح منضود سے ببول کے درخت مراد لئے ہیں کہ
جنت میں گھناؤنا سایہ ہوگا۔ اور جملہ میدان پھولوں کی خوشبو سے مہک جائیگا۔
دنیا میں عربستان کے سفر کی جو تکالیف شاقہ برداشت کی گئی تھیں اسطرح سے
اس کی تلافی ہو جائے گی۔ رہا ثمرات اور میووں کا بیان، وہ فاکھۃ کثیرۃ

ذریعہ آگے آرہا ہے لیکن دوسرے گروہ نے جن میں اکابر صحابہؓ اہل لسان شامل ہیں اوس کو موز کا درخت قرار دیا کہ جنت نعمتوں اور فواکہ کی جگہ ہے۔ گویا یہ تبلانا منظور ہے کہ جنت میں بیری اور موز سے لیکر ہمہ قسم کے میوے بکثرت ہوں گے۔ رہا سایہ کا بیان، وہ مستقل طور پر ظلّ ممدود کے ذریعہ آگے آرہا ہے نیز طلح کی تفسیر موز سے کی جائے تو ضمناً سایہ کی طرف بھی اشارہ ہوگا کیونکہ ثمرہ دار درخت سے پھول، پھل اور سایہ سبھی کچھ حاصل ہوتا ہے۔ اور اس امر کا اظہار بھی مقصود ہوگا کہ جنت میں بیری کے درخت سے لیکر جس کے پتے چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں، موز کے درخت تک ہوں گے جن کے پتے بڑے بڑے ہوتے ہیں سبھی موجود ہوں گے۔ بہرحال ہر تفسیر بجائے خود درست ہے اور موز کے ساتھ تفسیر کو ترجیح حاصل ہے۔ واللہ اعلم۔

ظلّ ممدود کی تفسیر ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:۔

فی الجنۃ شجرۃ یسیر الراکب فی ظلھا مائۃ عام لا یقطعھا اقرأوا ان شئتم وظلّ ممدود۔ (عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ، ہناد، عبد بن حمید بخاری، مسلم، ترمذی، ابن جریر، ابن منذر، ابن مردویہ) جنت میں ایک ایک

درخت ایسا ہے کہ (گھوڑا) سوار اگر اوس کے زیر سایہ (۱۰۰) سال تک (تیز رفتار سے) چلتا رہے تو بھی اوس کو طے نہ کرسکیگا۔ اگر (اس کی تصدیق کتاب اللہ سے) چاہتے ہو تو وظل ممدود پڑھ لو" اسی مضمون کی روایات حضرت انس' ابو سعید خدری' ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہیں۔ بعض مفسرین نے ظلّ سے درختوں کے سایہ کی جگہ ظلّ عنایت وحمایت مراد لیا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:۔ السلطان العادل ظل اللہ فی الارض یأوی الیہ کلّ ضعیف ومظلوم۔ عدل گستر بادشاہ' اللہ سبحانہ کا سایہ ہے جو زمین پر پھیلا ہوا ہے ہر ناتواں اور مظلوم اوس کے تحت پناہ لیتا ہے" نیز بزرگوں اور اہل علم کی نسبت کہا جاتا ہے:۔ مد ظلّہ' اللہ اون کا سایۂ عاطفت مدت مدید تک دائم وقائم رکھے" یہ تفسیر بھی بجائے خود درست ہے مگر جب کہ صحیح حدیث کی رو سے معنی حقیقی دریافت ہو چکے تو کسی تاویل یا مجاز کو اختیار کرنے کی حاجت نہیں۔

ماءِ مسکوب کی تفسیر | سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں:۔ جارٍ من غیر اخادید۔ اصحاب الیمین کے لئے آب پاشی کا جو انتظام جنت میں ہوگا اوس کے لئے نالیاں تیار کرنے کی ضرورت نہ ہوگی پانی اس کے بغیر بھی

سلیقہ کے ساتھ بہتا ہوگا۔ جدھر جتنا چاہو بہتا رہیگا"

شان نزول | ضحاکؒ فرماتے ہیں:۔ نظر المسلمون الی وجّ فاعجبھم سدرہ وقالوا یالیت لنا مثل ھذا فنزلت ھذہ الآیۃ۔

مسلمانوں نے مقام وَجّ کو دیکھا (جو طائف شریف کے پاس ایک سرسبز وشاداب مقام ہے جہاں سایہ دار درخت، بیریاں وغیرہ بکثرت ہیں) اون کو وہاں کی بیریاں وغیرہ پسند آئیں اور کہنے لگے اے کاش! ہمیں بھی ایسی سرزمین میسر ہوتی۔ اس موقع پر یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں"

ایک قول یہ ہے:۔ سابقین کے اخروی حالات کو مدنی زندگی بسر کرنے والوں اور اصحاب الیمین کو اہل بادیہ کے احوال کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور ہر ایک کے مناسب حال بہترین انتظامات کا وعدہ دیا گیا ہے۔ جو اون کے تصور میں تک نہیں آسکتے۔ بایں ہمہ اون کے باہمی فرق کو پوری طرح ملحوظ رکھا گیا ہے۔ع

وفاکھۃ کثیرۃ کی تفسیر | اصحاب الیمین کے لئے بیریوں اور موز پر ہی منحصر نہیں ان میووں سے لیکر اور انواع واجناس کے میوے بکثرت مہیا ہوں گے "جن کی طرف اون کا میلان طبع ہوگا وہ بھی اور جن ـــــ

ع فقیر عرض کرتا ہے ممکن ہے کہ یہاں جنت کا راستہ مراد ہو یعنی اہل جنت میدان حشر سے نکل کر جنت کی طرف [illegible]

آشنا نہ تھے وہ بھی۔ آب پاشی کا انتظام ہی خود اس طرف رہنمائی کر رہا تھا کہ جہاں پانی کی یہ بہتات ہو اور ایسی سہولتیں حاصل ہوں کہ موٹھ کشتی، یا ڈول سے نکالنے کی حاجت نہ ہو جیسا کہ دنیا میں اہل بادیہ خصوصاً ریگستان عرب کے باشندوں کے لئے ضرورت تھی تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ پیداوار بھی اسی کثرت کے ساتھ ہوگی۔ غلہ اور اجناس خوردنی کا کیا ذکر، فواکہات کی بھی کچھ کمی نہ ہوگی۔ کلوا واشربوا بما اسلفتم فی الایام الخالیۃ دنیا میں جو تکالیف تم نے اس باب میں برداشت کیں آج اون کی تلافی اس طرح کی جا رہی ہے اب ابدالآباد کے لئے نہایت عیش و تنعم کے ساتھ مزے سے کھاتے پیتے رہو۔"

لا مقطوعۃ ولا ممنوعۃ کی تفسیر میوے اور فواکہات دنیا میں بھی تھے مگر اون میں فقرا و مساکین کا حصہ درجہ صفر کے قریب تھا۔ اہل ثروت اغنیاء ہی اون سے مستفید ہوتے تھے۔ جن کی بڑی بڑی جاگیرات، معاشیں، اراضی، باغات سبھی کچھ تھے۔ اون کے اس عیش و تنعم کو دیکھ کر فقرا و مساکین کے منہ میں پانی آتا تھا۔ جب تک میووں کی فصل رہتی۔ اغنیاء اون پر پہرے چوکیاں بٹھاتے۔ اب کیا مجال کہ کسی فقیر و مسکین کا وہاں تک گزر بھی

ہو سکے ۔ بہار ختم ہوئی تو پھر ے چوکیاں برخاست ہوئیں ۔ اب اگر کوئی وہاں پہنچ بھی جائے تو یہاں کیا دھرا ہے؟ بہر حال بہار دنیا مقطوعۃ ممنوعۃ تھی ۔ یہ قطع و منع تو فقرا و مساکین کی حد تک ہوا ۔

اغنیا و اہل ثروت بھی اس قطع و منع سے محفوظ نہ تھے ۔ باوصفیکہ وہ کثیر اراضی اور متعدد باغات کے مالک تھے لیکن ارض دنیا اپنی نوعیت خاص اور محدود صلاحیت کے لحاظ سے صرف اون ہی درختوں کو اگاتی جس کی صلاحیت اوس زمین میں ہوتی ۔ کشمیر جنت نشان کیوں نہ فرض کر لیجیے وہاں سیب اور انار وغیرہ ہی پیدا ہوتے ہیں ۔ آم اور شریفہ وغیرہ کا وجود نہیں ۔ پھر ان فواکہ کا حال بھی یہ ہے کہ وہ صرف اپنے موسم پر آتے ہیں ادھر موسم ختم ہوا میوے بھی رخصت ہوئے بہار کے ساتھ خزاں لگی ہوئی تھی ۔ امیر و غریب یکساں ہیں ۔ غریب تو ناداری کے باعث ہاتھ پر ہاتھ دھرا بیٹھا ہے تو اغنیاء و اہل ثروت کا دسترخوان بھی بہار ختم ہوتے ہی ان فواکہات سے یکسر خالی ہے ۔ یہ بھی اپنا سا منہ لئے ہوئے ہیں ۔

اصحاب الیمین کے لئے جو وعدہ دیا گیا ہے وہ ایسے فواکہ کثیرہ کا جن کی صفت ہے لامقطوعۃ ولاممنوعۃ ۔ یہاں ہر نوع اور ہر جنس کا

میوہ ہے بہار اور موسم کی قید سے آزاد۔ اس کی کثرت اور فراوانی پوچھو نہیں۔ پھر لطف یہ ہے کہ کوئی روک ٹوک نہیں۔ آپ خیال کرتے ہوں گے کہ آج فقرا و مساکین کی بن آئی۔ نہیں نہیں اغنیا و اہل ثروت کی بھی عید ہوئی بلکہ عید الاعیاد۔ کیوں کہ زمین، دولت، خدم و حشم کے ہوتے ہوئے بھی، محرومی و ناکامی کے یہاں بہت سارے اسباب موجود تھے۔ وہ غنی کہلاتے تھے مگر حقیقت میں تھے فقیر۔ سچ ہے:۔ اللّٰہ الغنی و انتم الفقراء "غنی صرف اللہ جل شانہ کی ذات ہے اور تم سب فقرا ہو۔" آج افضال و عنایات الٰہی سے غنی نما فقراء بھی جو اصحاب الیمین سے ہیں عید منا رہے ہیں۔ نیز ان میں ایسے افراد بھی تھے جن کی صورت اغنیا کی سی تھی مگر سیرت اور دل فقیروں کا تھا۔ فقرا و مساکین کا درد رکھتے تھے۔ اپنے لطف و خوشی میں اون کو شریک حال بنا لیتے تھے۔ آج اس کا صلہ بھی مل رہا ہے و للہ الحمد۔

وَفُرُشٍ مَّرْفُوعَةٍ کی تفسیر | فُرُشٌ۔ جمع ہے فِرَاشٌ کی جس کے معنی ہیں بچھونے اور بستر کے۔ اصحاب الیمین جب تک دنیا میں سے کیا تھا؟ بقول حضرت سعدی علیہ الرحمہ ع درویش ہر کجا کہ شب آمد سرا اوست

جہاں بھی فقیر کی شام ہوئی وہی جگہ اوس کی کارواں سرائے تھی۔ ع :۔
زمین کا فرش تھا چھت آسماں کی ۔ جہاں شام ہوئی بیچارہ وہیں دراز
ہوا اور اپنے ہاتھ کا تکیہ بنا کر سو رہا۔ اہل تنعم اپنے عالیشان، قصور و
محلات میں اونچی اونچی مسہریوں اور پلنگ اور تختوں پر گوناگوں فرش
فروش کر کے خواب راحت کے مزے لیتے تھے ۔ سیر و سیاحت کیلئے
نکلتے بھی تو سامان عیش و عشرت ساتھ ہوتا۔ حضرت سعدیؒ نے کیا خوب
فرمایا :ـ

منعم بکوہ و دشت و بیاباں غریب نیست ہر جا کہ رفت خیمہ زد و خوابگاہ ساخت

آج اصحاب الیمین کے لئے جو سامان ہے وہ ارباب تنعم کو بھی کبھی نصیب نہ تھا۔
حضرت ابو سعید خدریؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے
ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا:۔ ارتفاعھا کما بین السماء والارض مسیرۃ
ما بینھما خمسمائۃ عام۔ (امام احمدؒ، ترمذیؒ، نسائیؒ، ابن ابی الدنیاؒ، ابن حبانؒ،
ابن جریرؒ، ابن ابی حاتمؒ، رویانیؒ، ابن مردویہؒ، ابو الشیخؒ، بیہقیؒ) اصحاب الیمین کے
محلات کی بلندی، ایسی ہوگی جیسی آسمان کی زمین کے مقابلہ میں، کہ
پانسو سال کی راہ کا تفاوت ہے۔"

یہ ارتفاع مکانی ہوا۔ بلندی قدر و قیمت، منزلت و مرتبت کے
لحاظ سے بھی ہو سکتی ہے۔ اس سے اون کے عالیشان و عالی قدر خوابگاہوں کا
اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ بلندی بھی اون کے محلات، پلنگوں، مسہریوں،
تختوں اور اون پر بچھائے ہوئے فرش و فروش کی ہوئی۔

دوسری تفسیر | فِراش کہہ کر حرم محترم سے بھی مراد لی جاتی ہے۔ جیسے
لباس کہہ کر ازواج مراد لی گئی ہے کما قال تعالیٰ ھنّ لباس لکم
وانتم لباس لھنّ۔ وہ عورتیں تمھارا لباس ہیں اور تم اون کا لباس،
یعنی وہ تمھاری رازدار ہیں اور تم اون کے رازدار"۔ اس اعتبار سے فرش
6-35 مرفوعة کے معنی کچھ اور ہی ہوں گے۔
6-36
6-37 آگے ارشاد ہے:۔ اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ۙ فَجَعَلْنٰهُنَّ
6-38 اَبْكَارًا ۙ عُرُبًا اَتْرَابًا ۙ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ۞ ہم نے پیدا کیا

(۳۶) ۵۶ (۱) ۳۵ تا ۳۸ ع ۲۸/۱۲

لہ عُرُباً۔ امرأۃ عروبۃ معربۃ بحالھا عن عفّتھا ومحبّۃ زوجھا
وجمعھا عُرُب قال عُرُباً اَتْرَاباً۔ (مفردات) امرأۃ عروبۃ ایسی
عورت کو کہتے ہیں جو عفت و پاکیزگی کی مجسمہ اور شوہر کی محبت کا پیکر ہو"۔

اور ان عورتوں کو ایک اچھی پیدائش پر کیا اُن کو کنواریاں، پیار دلانے

والیاں، ہم عمر، داہنے والوں کے واسطے۔"

طلبۂ علوم عربیہ سے خطاب آیات کریمہ اِنَّآ اَنشَاۡنٰھُنَّ اِنْشَآءً

فَجَعَلْنٰھُنَّ اَبْکَارًا میں ھُنَّ کی ضمیر کا مرجع فُرُشٌ مرفوعۃ ہے اگر

فرش کو فراش کی جمع قرار دیا جائے اور اس سے عورتیں مراد لی جائیں تو

معنی بالکل واضح ہیں کہ ان بلند پایہ، رفیع المرتبت عورتوں کو ہم نے

(بقیہ حاشیہ ۱؎ صفحہ گذشتہ)

عروبۃ کی جمع عُرُبٌ آتی ہے۔ ارشاد باری عُرُبًا اَترابًا میں عُرُبٌ سے یہی معنی

مراد ہیں۔"

۲؎ اترابا۔ وقولہ ابکارا عربا اترابا ای لدات تنشأن معا تشبیھا فی

التساوی والتماثل بالترائب التی ھی ضلوع الصدر او لوقوعھن معا علی

الارض وقیل لانھن فی حال الصبا یلعبن بالتراب معا (مفردات) اترابا

(جمع ہے تِرْبَۃٌ کی) یعنی ایک ساتھ پیدا ہونے والیاں، جو ایک ہی وقت میں وجود میں آئی

ہوں۔ ایک دوسری کے مساوی اور مماثل، جیسے سینہ کی پسلیاں، یا یہ کہ زمین پر ایک ساتھ ہی

پیدا ہوئی ہیں۔ یا یہ کہ جو بچپن میں مل کر مٹی میں کھیلتی تھیں۔"

از سرِ نو پیدا کیا تو اون کو کنواری دوشیزہ بنا کر پیدا کیا۔" اور اگر فراش معنی فرش و فروش لیا جائے تو یوں سمجھنا چاہیے کہ فرش بغیر فراش یعنی عورت کے مکمل نہیں ہو سکتا گویا یہاں ظرف کا ذکر کر کے مظروف مراد لیا گیا ہے معنی یہ ہوئے کہ وہاں بیش قیمت اور بلند قدر، بچھونے ہوں گے (جن پر رفیع المرتبت عورتیں ہونگی) جن کو ہم نے نشأۃ جدیدہ دی (اس نشأۃ جدیدہ میں) اون کو کنواری دوشیزہ بنایا۔"

انشأناهنّ کی تفسیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیہ کریمہ کی تفسیر یوں فرمائی:۔ انّ المنشأت اللاتی کنّ فی الدنیا عجائز شمطاً عمشاً رمصاً۔ (ابن جریر، عبد بن حمید، ترمذی وغیرہم عن انس رض) وہاں جن کی نشأت ثانیہ ایسی ہوگی اون میں وہ عورتیں بھی ہوں گی جو دنیا میں پیرانہ سال بال پکے ہوئے، آنکھیں بہتی ہوئی، میل آلود تھیں۔" یعنی ان سب کو کنواری، دوشیزہ، خوب صورت بنا کر اٹھایا جائے گا۔

ایک لطیفہ حسن بصری رح فرماتے ہیں:۔ اتت عجوز فقالت یا رسول اللہ ادع اللہ ان یدخلنی الجنّة فقال یا امّ فلان انّ الجنّة لا تدخلها عجوز فولّت تبکی قال اخبروها انّها لا تدخلها وهی عجوز انّ اللہ

یقول انّا انشأنٰھنّ انشاء فجعلنٰھنّ ابکارا۔ (عبد بن حمید، ترمذی، ابن المنذر، بیہقی) ایک بڑھیا نے حاضر ہو کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپؐ اللہ سے دعا فرمائیں کہ مجھے جنت میں داخل فرمائے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا اے فلاں کی والدہ! یقین رکھ کہ جنت میں کوئی بڑھیا داخل نہ ہوگی۔ یہ سن کر وہ روتی ہوئی واپس ہونے لگی۔ ارشاد مبارک ہوا:۔ اوس کو سنا دو کہ وہ بڑھاپے کے ساتھ اوس میں داخل نہ ہوگی۔ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہو رہا ہے کہ ہم نے اُن عورتوں کو دوبارہ پیدا کیا تو اون کو کنواری دوشیزہ بنا کر پیدا کیا ہے"۔ یعنی اوس کو دوشیزہ بنا کر جنت میں داخل کیا جائے گا۔

فقیر عرض کرتا ہے۔ یہ روایت مرسل ہے کیوں کہ حسن بصریؒ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا نہیں کسی صحابیؓ سے سنا ہے اور بوقت روایت اون کا نام نہ لے سکے۔

اَبْکَارًا کی تفسیر ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ انّ اھل الجنّۃ اذا جامعوا النساء عدن ابکارا۔ (طبرانی) اہل جنت (جب کبھی) جنسی میلان سے فارغ ہونگے تو عورتیں پھر سے باکرہ بنا دی جائیں گی"۔ جیسا کہ تمام جنت کا حال ہے کہ

وہاں کی ہر چیز اپنی صفت اولی پر رہیگی۔ غلمان ہمیشہ غلمان ہی رہینگے جوان نہ ہوں گے۔ جوان جوان ہی رہیں گے بوڑھے نہ ہوں گے جس حالت میں داخل ہوں گے ہمیشہ اوسی پر قائم رہیں گے۔

عُرُباً کی تفسیر ابن عباسؓ سے حسب ذیل تفسیر مروی ہے:۔ عُرُبٌ ای عواشق لازواجھنّ وازواجھنّ لھنّ عاشقون (ابن ابی حاتم) اون کو عشق اپنے شوہروں سے اور شوہروں کو عشق اپنی بی بیوں سے " المتحببات المتوددات الی ازواجھنّ (ابن جریر) محبوبات و مرغوبات اپنے شوہروں کی " تمیم بن جدلمؓ فرماتے ہیں:۔ الحسنۃ المتبعّل۔ (سعید بن منصور عبد بن حمید ابن جریر) شوہری حقوق بہتر طریقہ پر ادا کرنے والیاں " اسحاق بن عبداللہ نے فرمایا:۔ الخفرۃ المبتذلۃ لزوجھا۔ (وکیع ابن عساکر) حیادار شوہر کی اطاعت گزار " زید بن اسلمؓ فرماتے ہیں:۔ الحسنۃ الکلام (ابن جریر ابن ابی حاتم) خوش کلام " حضرت سیدنا امام باقرؓ کی روایت میں ہے:۔ کلامھنّ عربیّ۔ (ابن ابی حاتم) اون کی بول چال عربی ہوگی" جیساکہ دوسری حدیث شریف ہے:۔ لسان اھل الجنّۃ عربی۔

جنتیوں کی زبان عربی ہوگی ۔"

اتراباً کی تفسیر | مستویات (ابن جریر، ابن المنذر، بیہقی) ایک دوسرے سے برابری شباہت رکھنے والیاں ۔" امثالاً (سفیان بن عیینہ، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر) باہم مماثلت رکھنے والیاں ۔" اقراناً (عبد بن حمید) ہم زمانہ" یعنی ایک ساتھ پیدا ہونے والیاں، جو سب مل کر مٹی میں کھیلتی تھیں ۔

فقیر عرض کرتا ہے کہ یہ اختلاف روایات نہیں ہے بلکہ ہر روایت میں ایک ایک وصف بیان ہوا ہے ۔ یوں سمجھنا چاہئے کہ نساء اہل جنت ان تمام صفات کی جامع ہوں گی ۔

لِاَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ کی تفسیر | یہ تمام تیاریاں اصحاب الیمین کیلئے ہیں جو میدان حشر میں داہنی جانب ٹھہرائے جائیں گے یا نامۂ اعمال جن کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا یا جن کی صفت دنیا میں راستی اور صداقت پر مبنی تھی ۔ یہاں لام جار کا تعلق کس کلمہ سے ہے ؟ اس باب میں تین اقوال ہیں ۔ ایک یہ کہ انشأنٰھن" سے متعلق ہے ۔ معنی یوں ہوں گے کہ ہم نے ان کو اصحاب الیمین کے لئے پیدا کیا ہے ۔" دوسرا یہ کہ جعلنٰھن" ابکاراً سے متعلق ہے ۔ اس اعتبار سے معنی یہ ہوئے کہ ہم نے اون کو باکرہ جو بنایا

مخصوص طور پر اصحاب الیمین کے لئے"۔ تیسرا یہ کہ اترا باً سے متعلق ہے جو صیغہ صفت مشبہہ ہے معنی یوں ہوئے کہ یہ ہم سن عورتیں اصحاب الیمین کے لئے ہیں"۔ ہر سہ اقوال اپنی اپنی جگہ درست ہیں۔ مآل اور نتیجہ کے طور پر زیادہ فرق نہیں پڑتا۔ آگے ارشاد ہے :۔

56-39 ثُلَّۃٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ۝
56-40 وَثُلَّۃٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ ۝

انبوہ کثیر اگلوں سے اور انبوہ کثیر پچھلوں سے۔

سابقین اور اصحاب الیمین کا فرق

اصحاب الیمین کا حال سابقین سے قدرے مختلف ہے۔ سابقین کا گروہ اگلے لوگوں میں بڑھا ہوا تھا پچھلوں کا تناسب فی صد اگلوں کے مقابلہ میں کم تھا۔ یہ اور بات ہے کہ تناسب فی صد کی کمی کے باوجود ان کی تعداد سابقین سے زیادہ تھی۔ اس وجہ سے کہ پچھلوں کی تعداد اگلوں کی تعداد سے بہت بڑھی چڑھی تھی جس کی تفصیل السابقون کی تفسیر میں گزر چکی۔ مگر اصحاب الیمین اگلوں میں بھی بہت تھے اور پچھلوں میں بھی بہت زیادہ ہوں گے۔ یعنی تناسب فی صد دونوں کا یکساں اور پچھلوں کی تعداد اگلوں سے بہت زیادہ رہیگی۔

یہ اولین و آخرین کون ہیں خواہ یہ اگلے اور پچھلے دونوں اسی امۃ مرحومہ کے مراد لئے جائیں۔ جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت میں ہے:۔ الثلتان جمیعا من ھذہ الامۃ۔ (عبدالرزاق، ابن المنذر، ابن مردویہ) یہ دونوں گروہ عظیمہ اسی امت کے ہیں"۔ اور ابو بکرہؓ کی روایت میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ ھما جمیعا من ھذہ الامۃ۔ (مسدد، ابن المنذر، ابن عدی، ابن مردویہ) وہ دونوں اسی امت سے ہیں"۔ یا

اولین سے امم سابقہ کے اصحاب الیمین حضرت آدم سے حضرت مسیح علی نبینا وعلیہما الصلاۃ والسلام تک، اور آخرین سے مراد، امت محمدیہ علی صاحبہا الف الف سلام وتحیہ ہو جس کی صراحت السابقون کی تفسیر میں کی گئی۔ ہر دو صورتوں میں اولین و آخرین میں اصحاب الیمین کی کثرت ہی ہوگی۔ مطلب یہ کہ تمام کلمہ گو مسلمان، اصحاب الیمین میں شامل ہوں گے اور بالآخر سب کی نجات ہوگی۔ دائمی سزا سے محفوظ ہوں گے یہ ان کے نور ایمان کی برکت ہے گو عمل کے اعتبار سے اصحاب الیمین کو سابقین کیساتھ کوئی نسبت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سابقین کی نسبت ارشاد ہوا تھا:۔

جزآءً بما کانوا یعملون۔ سابقین کی یہ رفعت شانٗ اور اون کا یہ اعزازٗ بدلہ ہے اُن اعمال خیر کا جو وہ دنیا میں کرتے تھے"۔ اصحاب الیمین کو یہ کامیابی کس بنا پر نصیب ہوئی اوس کا ذکر کچھ بھی نہیں فرمایا گیا۔ اگر یہ کامیابی اون کے کسی حسن عمل کی جزا ہوتی تو اوس کا ذکر کیا جاتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اصحاب الیمین کی نجات محض فضل الٰہی اور اوس کا فیض لامتناہی ہے۔ کما لا یخفی۔

حضورؐ کا مشاہدۂ امم سابقہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:۔

غدونا علی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال عرضت علیّ الانبیآء باتباعھن من اممھا فاذا النبیّ معہ الثُلّۃ من امتہ واذا النبیّ لیس معہ احد وقد انباءکم اللّٰہ عن قوم لوط فقال الیس منکم رجل رشید حتیّ مرّ موسی علیہ السلام ومن معہ من بنی اسرائیل۔ ہم حضرت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں سویرے حاضر ہوئے تو فرمایا کہ مجھ پر انبیاء اپنی امتوں سمیت پیش ہوئے۔ کچھ تو ایسے تھے جن کے ساتھ اون کی امت کا ایک انبوہ تھا اور کچھ وہ تھے جن کے ساتھ کوئی نہ تھا۔ جیسا کہ اللّٰہ سبحانہ نے قوم لوط کی خبر دی

فرمایا کہ کیا تم میں ایک بھی ایسا نہیں جو راہ راست پر ہو۔ تا آں کہ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ساتھ گزرے "۔

امۃ مرحومہ کا مشاہدہ قلت یا رب فاین امتی قال انظر عن یمینك فاذا الظراب ظراب مکۃ قد سد من وجوہ الرجال قال ارضیت یا محمد قلت رضیت یا رب قال انظر عن یسارك فاذا الافق قد سد من وجوہ الرجال قال ارضیت یا محمد قلت رضیت رب قال فان مع ھؤلآء سبعین الفا یدخلون الجنۃ بغیر حساب۔ (بنی اسرائیل کو دیکھ کر) میں نے عرض کیا کہ میرے پالنے والے! میری امت پھر کہاں ہے؟ ارشاد ہوا اپنی داہنی جانب نظر ڈالئے۔ (حضورؐ فرماتے ہیں) میں کیا دیکھتا ہوں کہ مکہ کے تمام میدان، پہاڑ پر سے لوگوں کے صرف چہرے (نظر آرہے ہیں) جو بکھرے پڑے ہیں۔ ارشاد ہوا۔ محمد! اب تو خوش ہو گئے؟ عرض کیا۔ پروردگار! خوش ہو گیا۔ ارشاد ہوا۔ اپنی بائیں جانب دیکھئے۔ ادھر بھی آسمانوں کے کناروں تک صرف لوگوں کے منہ ہی دکھائی دے رہے ہیں اور سارا افق ان ہی سے بھرا پڑا ہے۔ ارشاد ہوا۔ محمد! اب راضی ہو گئے؟ عرض کیا۔ پروردگار! راضی ہو گیا۔ ارشاد ہوا ان کے

علاوہ ستر ہزار اور ہوں گے جو بلا حساب جنت میں داخل ہوں گے۔"

عکاشہؓ سابقین میں | فاتی عکاشۃ بن محصن الاسدی رضی اللہ عنہ فقال یا رسول اللہ! ادع اللہ ان یجعلنی منھم فقال اللّٰھم اجعلہ منھم ثم قام رجل آخر فقال یا رسول اللہ ادع اللہ ان یجعلنی منھم فقال سبقک بھا عکاشۃ۔ اتنے میں عکاشہ بن محصن اسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ اللہ کے ہاں دعا فرمائیے کہ مجھے بھی ان میں سے کر دے۔ آپ نے فوراً فرمایا الٰہی! اس کا شمار بھی ان (ستر ہزار) میں فرما دے۔ پھر اور ایک شخص اوٹھا اوس نے بھی درخواست کی کہ یا رسول اللہ! اللہ سے دعا کیجئے کہ میرا شمار بھی اُن میں کر دے۔ ارشاد ہوا کہ اس باب میں عکاشہ تم پر سبقت لیگیا چلے

فقیر عرض کرتا ہے کہ سبقت الی الخیر جس کا بیان اوپر گزرا یہ اوس کی بہترین مثال ہے۔ یہی معنی سبقت کے ہیں اور یہ صفت سابقین کی ہے۔

ہدایت نبویہ | ثم قال لھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان استطعتم بابی انتم وامی ان تکونوا من السبعین فکونوا فان عجزتم وقصرتم فکونوا من اصحاب الظراب فان عجزتم و

قصرتم فکونوا من اصحاب الافق، فانی رأیت الناس یتھاوشون
کثیرا ثمّ قال انی لارجوا ان تکونوا شطر اھل الجنۃ فکبّرالقوم
ثمّ تلا ھذہ الآیۃ ثلۃ من الاولین و ثلّۃ من الآخرین۔
پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے فرمایا۔ میرے ماں باپ کے
پیارو! اگر تم سے ہوسکے کہ اُن ستر ہزار میں جا شامل ہو تو اُن میں جا
شامل ہو۔ اور اگر تم خود کو اس سے عاجز اور قاصر پاؤ تو میدانوں اور
پہاڑوں پر سے جو دکھائی دے رہے تھے اُن میں شامل ہوجاؤ۔ اور اگر
اپنے کو اس سے بھی عاجز اور قاصر پاؤ تو کم از کم اصحاب افق میں ضرور
شامل ہوجانا۔ کیونکہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ کثرت کے باعث ادھر اور
ادھر خلط ملط ہو جا رہے تھے۔ (ایسے اژدہام کے موقع پر کامیاب
وہی رہتے ہیں جو سب کو چھوڑ کر اپنی جماعت میں منسلک ہوجائیں)
پھر فرمایا مجھے امید ہے کہ تم نصف جنت کے حق دار ثابت ہوں گے۔
اس پر قوم نے نعرۂ تکبیر لگایا۔ پھر آپ نے یہ آیات کریمہ پڑھیں:۔
ثلّۃ من الاوّلین و ثلّۃ من الآخرین۔ ایک بھاری گروہ تمام
اولین کا تو ایک بڑا بھاری گروہ آخرین کا بھی" (جنت میں ہوگا)

بلا حساب جنت میں جانے والوں کی نشانی فتذاکروا من ھؤلآء السبعون الفاً فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ھم الذین لا یسترقون ولا یتطیرون وعلی ربھم یتوکلون (طبرانی) پھر صحابۂ کرام آپس میں مذاکرہ کرتے رہے کہ یہ ستر ہزار کن صفات کے حامل ہوں گے؟ اس پر حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ وہی ہیں جو نہ منتر پڑھتے پڑھاتے اور نہ فال کھولتے کھلاتے، بلکہ اپنے پروردگار پر یقین محکم رکھتے ہیں کہ سارا اقتدار اسی کو حاصل ہے۔ یعنی اعتقاداً بھی اسی کو مانتے اور قولاً بھی اسی کا ذکر کرتے اور عملاً بھی اسی پر ثابت قدم رہتے ہیں۔ تذبذب و تزلزل کی یہاں گنجائش ہی نہیں۔

اہل بدر کی ایمانی صفت حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں:۔

رأیت سبعین بدریا کانوا فیما احل اللہ لھم ازھد منکم فیما حرم اللہ علیکم وکانوا بالبلاء اشد منکم فرحا بالرخاء لورأیتموھم قلتم مجانین ولو رأوا اخیارکم قالوا ما لھؤلآء من خلاق ولو رأوا اشرارکم حکموا بانھم لا یومنون بیوم الحساب ان عرض علیھم الحلال من المال ترکوہ من خوف فساد قلوبھم (روح البیان)

میں نے ستر اصحاب بدر کو دیکھا کہ اللہ نے جس چیز کو اون کے لئے حلال قرار دیا تھا اوس کو چھوڑ دیتے تھے اس سے کہیں زیادہ جو تم پر اللہ نے حرام گردانا ہے اور اوس کو تم چھوڑتے ہو۔ اور تم خوشحالی فارغ البالی سے جس درجہ خوش ہوتے ہو اس سے کہیں زیادہ وہ آزمائشوں اور امتحانات سے خوش ہوتے تھے۔ اگر تم اُن کو دیکھتے تو کہتے کہ یہ دیوانے ہیں۔ اور اگر وہ تمھارے نیک لوگوں کو دیکھ لیتے تو کہتے کہ ان کا آخرت میں کچھ بھی حصہ نہیں۔ اور اگر وہ تمھارے شریروں کو دیکھتے تو حکم لگاتے کہ حساب کے دن پر ان کو ایمان ہی نہیں۔ اگر اُن پر مال حلال پیش کیا جائے تو اس اندیشہ سے کہ اون کی قلبی حالت بگڑ نہ جائے چھوڑ دیتے" رضی اللہ عنھم وارضاھم عنّا۔ آمین۔

یہ بیان، سابقین اور اصحاب الیمین کا ہوا۔ اب اصحاب الشمال کا حال ملاحظہ ہو:—

6-41 6-42 وَاَصۡحٰبُ الشِّمَالِ ۙ۬ مَاۤ اَصۡحٰبُ الشِّمَالِ ؕ فِیۡ سَمُوۡمٍ

6-43 6-44 وَّحَمِیۡمٍ ۙ وَّظِلٍّ مِّنۡ یَّحۡمُوۡمٍ ۙ لَّا بَارِدٍ وَّلَا کَرِیۡمٍ ۝ اور

لہ السمّ والسُّمّ کل ثقب ضیق کخرق الابرۃ وثقب الانف والاذن

بائیں والے کیسے (بدحال ہیں) بائیں والے تیز بھانپ میں اور جلتے پانی میں

اور سایہ میں دھوئیں کے، نہ ٹھنڈا نہ عزت کا۔

(بقیہ حاشیہ لہ صفحہ گذشتہ)

وجمعہ سموم والسَّمّ القاتل وھو مصدر فی معنی الفاعل فانہ بلطف تأثیرہ یدخل بواطن البدن والسّموم الریح الحارّۃ التی تؤثّر تاثیر السُّمّ (مفردات)۔ تنگ سوراخ کو سَمّ اور سُمّ کہتے ہیں۔ جیسا سوئی چبھنے سے سوراخ پیدا ہو۔ یا ناک اور کان کا سوراخ۔ اس کی جمع سموم آتی ہے۔ اور ہلاک کرنے والا زہر۔ یہ دراصل مصدر ہے بمعنی اسم فاعل کیونکہ وہ بھی اپنی لطیف تاثیر کے باعث جسم کے اندرونی حصوں میں گھس جاتا ہے۔ سَموم کے معنی گرم ہوا جو زہر کا اثر رکھتی ہے۔ فقیر عرض کرتا ہے گویا سموم کا لفظ سَمّ یا سُمّ بمعنی زہر قاتل سے بنا ہے۔ واللہ اعلم۔

لہ۔ یحموم یفعول۔ قیل اصلہ الدخان الشدید السواد وتسمیتہ امّا لما فیہ من فرط الحرارۃ کما فسّرہ فی قولہ لا بارد ولا کریم او لما تصوّر فیہ من الحممۃ فقد قیل للاسود یحموم وھو من لفظ الحممۃ والیہ اشیر بقولہ لھم من فوقھم ظُلَل من النار ومن تحتھم ظلل۔ (مفردات) یحموم بروزن یفعول ہے۔ کہتے ہیں کہ

اصحٰب الشمال کی تفسیر | جو لوگ میدان قیامت کی بائیں جانب کھڑے کئے گئے تھے یا نامہ اعمال جن کے بائیں ہاتھ میں دیا گیا تھا اون کی بدحالی نہ پوچھو کہ وہ کس فضا میں سانس لیتے ہوں گے اور اون پر کیا گزرتی ہوگی جب تک وہاں ایستادہ تھے یاس وحسرت اور سراسیمگی سے دوچار رہتے۔ نتیجہ دیکھ لینے اور فیصلہ سن لینے کے بعد وہ دوزخ کی طرف ہانکے جائینگے دوزخ اور اوس کی آگ، نیز اوس میں جو سخت عذاب ہے وہ تو ابھی آگے ہے۔

(بقیہ حاشیہ ۲ صفحہ گذشتہ)

در اصل یہ نہایت سیاہ دھواں ہے یہ نام اس لئے رکھا گیا کہ اوس میں حد درجہ حرارت ہوتی ہے چنانچہ اوس کی تفسیر دوسری آیہ کریمہ میں لا بارد ولا کریم کی گئی ہے کہ نہ وہ کچھ بھی ٹھنڈا ہوگا اور نہ باعزت یا یہ کہ وہ کوئلہ کی طرح سیاہ ہے۔ چنانچہ کالی چیز کو یحموم کہتے ہیں وہ حُمَمَۃ بمعنی کوئلہ سے مشتق ہے۔ لھم من فوقھم ظلل من النار ومن تحتھم ظلل جو ارشاد خداوندی ہے اوس میں اسی معنی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ یعنی دوزخیوں کے لئے اوپر سے بھی آگ کا سیاہ دھواں ہوگا اور نیچے سے بھی۔" فقیر عرض کرتا ہے" گویا یہ دونوں سیاہیاں جمع ہو کر کوئلہ کا پہاڑ دکھائی دیتا ہوگا۔ واللہ اعلم۔

فِی سَمُومٍ کی تفسیر | دوزخ کا رُخ کرتے ہی اوس کی ہوا استقبال کریگی۔
ان کی ہوا خوری دنیا میں بھی ہوا کرتی تھی جس سے طبیعت ہشاش بشاش
ہوتی، دل کو سرور اور آنکھوں میں نور پیدا ہوتا تھا۔ تازہ ہوا سے ایک ایک
رونگٹا لطف اندوز ہوتا تھا۔ مگر اصحاب الشمال کے لئے جو ہوا یہ رہی ہے
وہ دوزخ کی سمت سے آرہی ہے اور اوس کی کیفیات سے متکیف ہوکر
آرہی ہے اوس کی معمولی کیفیت یہ ہوگی کہ بادِ سموم کا رنگ لی ہوئی ہے۔
سَمُوم کیا ہے؟ سمیت لی ہوئی اور ایک ایک مسام میں گھستی ہوئی گرم
زہریلی ہوا۔ گرم ایسی کہ بدن جلتا ہوا اوس سے آبلے آتے ہوئے۔ اور
زہریلی اس بلا کی کہ تمام جسم پاش پاش ہوا جا رہا ہے۔ عفونت اس
غضب کی کہ ناک نہ ٹھہر سکے۔ مشاعرِ خمسہ یعنی حواسِ ظاہری پر اس کا کیا اثر
ہوگا اور اس آغاز کا انجام کیا ہوگا اوس کا اندازہ کر لیجئے۔

حَمِیْمٍ کی تفسیر | قدرتاً اس عالمِ تپش میں انسان پانی کی طرف مائل ہوتا
ہے، اصحاب الشمال بھی پانی پانی کہنا شروع کریں گے۔ مقام غور ہے کہ
جہاں کی فضا ایسی گرم، متعفن، زہریلی ہوا سے متاثر ہو وہاں کا پانی کس
نوعیت کا ہوگا۔ ضرور ہے کہ ہوا کے اوصاف، پانی کے ہر ہر جز میں سرایت

کئے ہوئے ہوں گے۔ ارشاد ہو رہا ہے:۔ فی سموم و حمیم۔ پانی کھولتا ہوا متعفن، زہر یلا ہوگا، وہی ان کو دیا جائے گا۔ جس کو منہ کے قریب کرتے ہی چہرہ کی جلد گل کر اس میں گر پڑیگی۔ منہ میں ڈالتے ہی سر سے قدم تک آگ سی لگ جائے گی۔ وہ پانی زیر حلق ہوگا تو آنتیں کٹ کٹ کر گرینگی۔ العیاذ باللہ۔

وَظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ کی تفسیر اس کے بعد اون کو سایہ کی تلاش ہوگی جیسے کوئی مسافر کو دھوپ کی تکلیف ہوتی ہے تو سایہ ڈھونڈتا ہے۔ ایسی زہرناک فضا میں کوئی درخت کس طرح زندہ رہ سکتا ہے؟ لہذا کوئی سایہ تو دکھائی نہ دیگا۔ البتہ ایک سیاہی بلند ہوکر پھیل جائے گی تو سایہ کی سی صورت پیدا ہوگی۔ اس طرح سیاہی کی چادریں اون کے سروں پر منڈلاتی ہونگی۔ جو انسان کی نظر اور آسمان کے درمیان حائل ہوں گی۔ بس اسی کے نیچے اون کو گزرنا ہوگا اور اسی کو وہ غنیمت سمجھتے ہوں گے۔

اسی کا بیان ہو رہا ہے:۔ وَظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ۔ اور سایہ میں دھوئیں کے۔

مجاہدؒ کہتے ہیں:۔ من دخان جھنم۔ (ہناد، عبد بن حمید) جہنم کا دھواں، (دوزخیوں کے سروں پر سایہ کی طرح چھایا ہوا ہوگا)۔"

ضحاکؒ کہتے ہیں :۔ النار سوداء واھلھا سود وکل شیئ فیھا اسود۔ (عبدبن حمید) دوزخ کی آگ سیاہ رنگ کی ہوگی۔ اوس میں رہنے والے بھی سب سیاہ ہو جائیں گے اور اوس میں کی ہر چیز کالی ہوگی۔" اس اعتبار سے دھواں بھی نہایت سیاہ ہوگا۔

ابن کیسانؒ کہتے ہیں :۔ ھومن اسماء جھنم فانّھا سوداۤء وکذا کلّ ما فیھا اسود بھیم۔ (روح المعانی) "یحموم" دوزخ کا نام ہے وہ سیاہ ہوگی۔ اسیطرح اوس میں کی ہر چیز حد درجہ سیاہ ہوگی۔"

ابن عباسؓ فرماتے ہیں :۔ انّہ سرادق النار المحیط باھلھا یرتفع من کلّ ناحیۃ حتی یظلّھم۔ (روح المعانی) "یحموم دوزخ کے سراپردے ہیں۔ جو اوس کو ہر سمت سے گھیرے ہوئے ہیں۔ وہ ہر طرف سے اتنے بلند ہوں گے کہ اون کا سایہ دوزخیوں پر پڑتا ہوگا۔"

گویا دوزخیوں سے کہا جائے گا کہ تم کو سایہ کی تلاش تھی۔ لو یہ سایہ موجود ہے۔ اوس کی صفت کیا ہوگی اوس کا بیان آگے آرہا ہے۔

لَا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيْمٍ کی تفسیر "نہ تو وہ ٹھنڈا ہے اور نہ باعزت۔"

سایہ میں دو صفات ہوتے ہیں اور اسی کی خاطر اوس کی تلاش کیجاتی ہے۔

ایک یہ کہ اوس سے خنکی حاصل ہو تاکہ دھوپ کی تپش سے جو تکلیف ہو رہی ہے اوس سے نجات ملے۔ دوم یہ کہ دوسروں سے امتیاز رہے کہ اوروں کو جو چیز (سایہ) میسر نہیں وہ اِس کو حاصل ہے۔ لیکن دھویں کے اس سایہ میں ان میں سے ایک وصف بھی نہیں بلکہ تپش دفع ہونے کے بجائے اوس میں اضافہ ہی ہوگا، ایسا معلوم ہوگا کہ اس کے سر پر آنے سے گویا اور ایک آفت بڑھ گئی ہے۔ جب ذلت و خواری بڑھتی جارہی ہے تو عزّت و امتیاز کا کیا ذکر؟ ؎

ایک آفت سے تو مر مر کے ہوا تھا جینا ۔ پڑگئی اور یہ کیسے مرے اللہ نئی

قتادہؒ کہتے ہیں: ۔ لا بارد المنزل ولا کریم المنظر۔ (عبد الرزاق، ابن المنذر، ابن ابی حاتم) نہ جگہ ٹھنڈی اور نہ پسندیدہ منظر۔" یہ صورت کیوں درپیش ہوئی اوس کی نسبت ارشاد ہے:۔

6-45 6-46 اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ[۱] ۝ وَكَانُوْا يُصِرُّوْنَ

[۱] المترفہ التوسع فی نعمۃ والمترفون ھم الموصوفون بقولہ سبحانہ فاما الانسان اذا ما ابتلاہ ربہ فاکرمہ و نعمہ۔ (مفردات) نعمتوں کی

6-47 عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ ۞ وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ۙ اَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا
6-48 تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۞ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ۞

وہ لوگ تھے اس سے پہلے خوش حال اور ضد کرتے تھے ایک بڑے گناہ پر اور کہا کرتے تھے کیا جب ہم مر گئے اور ہو چکے مٹی اور (رگیں) ہڈیاں کیا ہم پھر واقعی اٹھائے جائیں گے، اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی "

دوزخیوں کی سزا عین عدل ہے

دوزخیوں کے لئے مذکورہ بالا سزا ئیں

(بقیہ حاشیہ لے صفحہ گذشتہ)

وسعت کو ترفہ کہتے ہیں۔ مُترفین وہ لوگ جن کی نسبت اللہ سبحانہ نے فرمایا کہ انسان کو جب اسکے رب نے عزت دی اور نعمتوں سے سرفراز کیا تو کہنے لگا کہ میرے رب نے مجھے عزت دی"

۲ے الحنث الذنب المؤثم وسمی الیمین الغموس حنثا لذلك وقیل حنث فی یمینه اذا الحریف بها (مفردات) گناہ میں ڈالنے والی معصیت کو حنث کہتے ہیں۔ جھوٹی قسم کو بھی اسی معنی میں حنث کہتے ہیں۔ حنث فی یمینه کا محاورہ اس وقت استعمال کیا جاتا ہے جب کہ قسم کھا کر اس کو پورا نہ کیا جائے " فقیر عرض کرتا ہے یہاں الحنث العظیم سے شرک مراد ہے جسکی نسبت وارد ہے: ان الشرك لظلم عظیم۔ واللہ اعلم۔

کیوں تجویز ہوئیں اوس کا سبب بیان ہو رہا ہے تا معلوم ہو کہ ایسی رنج دہ
اہانت آمیز سزا بے وجہ ظلماً صادر نہیں کی گئی بلکہ یہ تجویز نہایت منصفانہ
عادلانہ ہے۔ کیونکہ یہ لوگ وہ ہیں کہ جب تک دنیا میں تھے اللہ سبحانہ کی
گوناگوں بے شمار نعمتوں سے مستفید ہو رہے تھے۔ پیدا ہونے کے پیشتر سے
لے کر مرنے کے بعد تک خوب ہی استفادہ کیا۔ اسی طرح جیسا کہ اللہ کے شکر
گزار بندے مستفید ہوتے تھے بلکہ بعض صورتوں میں ان کا استفادہ شکر گزار
بندوں کے مقابلہ میں زیادہ اور بہت زیادہ تھا مگر کبھی بھول کر بھی
اللہ سبحانہ کی یاد اون کے دل میں نہ آئی۔ اللہ سبحانہ نے اپنے پیغمبروں کو
بھیجکر شکر گزاری کا طریقہ بتلایا تو ان شریروں نے اون کا مذاق اڑایا
اون کے ساتھ استہزا کرتے رہے۔ اور ایسی ڈھٹائی سے ناشکری اور
باطل پر جمے رہے کہ گویا اون کے پاس کوئی آیا ہی نہیں۔ اللہ پاک نے
صحیفے اور کتابیں نازل فرمائیں مگر انھوں نے نہ کبھی اون کو تسلیم کیا
اور نہ اون کو پڑھا۔ اگر کبھی کچھ حصہ اون کو پڑھکر سنایا گیا تو کان میں
انگلیاں رکھ لیں۔ منہ پر پردہ ڈال لیا۔ اور اکڑتے ہوئے اوس مجلس سے
اوٹھ کر چلے گئے۔ جعلوا اصابعهم في آذانهم و استغشوا ثيابهم

واصرّوا واستکبروا استکبارا ۔ اور اون کا یہی طرز مدۃ العمر قائم رہا۔ جس سے یاس و ناامیدی ہوگئی کہ اگر یہ ہزار سال بھی زندہ رہیں گے تو ان کا یہ طرز کبھی نہیں بدلے گا۔ ان حالات میں اگر آج اونکو سزا دی جا رہی ہے تو ایسا عمل نہایت منصفانہ عادلانہ ہوگا۔ آج تک جو مہلت دی گئی یہ بھی اللہ سبحانہ کا کرم ہے۔ ورنہ ان کی روش تو ایسی تھی کہ فوری سزا دی جاتی۔ اون کے کام دنیا میں کیا تھے جن کی بنا پر یہ سزا دی جا رہی ہے تو ارشاد ہو رہا ہے:۔

مترفین کی تفسیر اِنَّھُمْ کَانُوْا قَبْلَ ذٰلِکَ مُتْرَفِیْنَ ۔ یقیناً وہ تھے اس سے پہلے آسودہ حال ؞ یعنی بعض کا حال یہ تھا کہ عمدہ لذیذ کھانوں، خوشگوار شربتوں بلکہ شراب و کباب، عالی شان مکانات، ہوادار مقامات میں گزارتے، صبح سے شام اور شام سے صبح تک خواہشات نفس کی اتباع میں تھے اور اسی دُھن میں ساری عمر عزیز ضائع کرتے تھے۔ کبھی اونکے دل میں مقصد آفرینش پر غور و فکر کرنے کی توفیق نہ ہوتی تھی۔ اللہ سبحانہ نے انبیاؑ و رسل کو مبعوث کیا اور کتابیں نازل فرمائیں مگر ان کے دماغوں پر نفسانی خواہشات کا غلبہ اس درجہ تھا کہ وہ کب ان احکام و ہدایات کو سنتے اور اوس پر عمل کر نیکی کوشش کرتے

محاورہ عرب اترفتہ النعمۃ ای اطغتہ کے مطابق مذکورہ نعمتوں کے باعث وہ طاغی ہو چکے تھے اور انسانیت کے حدود سے باہر ہو کر خدا و رسول کی بغاوت پر علانیہ کمربستہ نظر آتے تھے یہ تو اون کے منعمین مترفین کا حال تھا۔ جن کو دنیا کی ثروت و دولت خوب ہی میسر تھی۔

مترفین کی دوسری قسم ان میں اکثر ایسے بھی تھے جن کو نعمتوں کی یہ فراوانی تو نصیب نہ تھی۔ درماندہ و از کار رفتہ ہونے کے باوجود احکام خدا اور رسول سے اسی طرح سرکشی اور بغاوت کرتے تھے جیسا کہ مترفین کا حال تھا۔ یہ اگرچہ دانے دانے کو ترستے اور تن کی پوشاک اور سر چھپانے کا سہارا ڈھونڈتے رہتے تھے۔ لیکن کیا مجال کہ خدا طلبی کا خیال، بھول کر بھی کبھی اون کو آسکتا۔ اصلاح حال سے کوسوں دور اور فکرِ فردا سے طبعاً نفور تھے۔ قدرت نے آنکھ کان، دل دماغ، ہاتھ، پاؤں اور ساری صلاحیتیں ودیعت فرما ئیں اور کافی موقع دیا۔ ٹھیک اوسی طرح جیسا کہ منعمین مترفین، یا صادقین کاملین کو سرفراز فرمایا تھا۔ ما تری فی خلق الرحمٰن من تفاوت۔ "تم رحمٰن کی آفرینش میں کوئی تفاوت اور کچھ بھی کمی بیشی نہ پاؤ گے"۔ مگر ان اعضا وجوارح، قویٰ اور صلاحیتوں سے کام لینا بھی شیوۂ انسانیت ہے جس سے

یہ یکسر عاری تھے۔ بہرکیف اتباع ہواء (پیروی خواہشاتِ نفس) میں ان کا
حال منعمان مترفین سے کچھ بھی کم نہ تھا۔ یہ بھی اپنے پندار میں مست تھے۔

حِنث عظیم کی تفسیر

چنانچہ ارشاد ہو رہا ہے:۔ وَكَانُوا يُصِرُّونَ
عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيمِ۔ اور وہ جمے ہوئے تھے بڑے سے بڑے گناہ پر۔ یعنی
ذنب عظیم پر جو شرک ہے۔ جس کی صراحت دوسری جگہ یوں فرمائی گئی ہے:۔
انّ الشرك لظلم عظيم۔ خداوند تعالیٰ شانہ کا کسی کو شریک ٹھہرانا
یقیناً بہت بڑا ظلم اور بڑی اندھیر ہے۔" بعض مفسرین کرام نے حِنث
عظیم سے کذب (جھوٹ) اور یمین کاذبہ (جھوٹی قسم) مراد لی ہے۔
یعنی جھوٹے دعوے کرتے اور اوس پر جھوٹی قسمیں کھایا کرتے تھے۔ کانوا یحلفون
باللہ مع شرکھم لا یبعث اللہ من یموت۔ شرک میں منہمک رہتے ہوئے
اللہ کا نام لے کر قسمیں کھاتے کہ جو یہاں مر گئے اون کو اللہ دوبارہ زندہ
کر کے نہیں اٹھائے گا۔" ان نادانوں کی سمجھ میں اتنی بات نہ آسکی کہ اگر دوبارہ
زندگی برحق نہ ہو تو ظالم جو عمر بھر ظلم کرتا رہا اور مظلوم جو مدۃ العمر ظلم سہتا رہا
آخر اوس کا انصاف کب ہو اور کہاں ہو؟ دنیا میں تو انصاف نہ ہو سکا۔ اگر
کسی دوسرے عالم میں بھی نہ ہو تو معاذ اللہ قدرت نے کچھ بھی انتظام

نہ فرمایا۔ حاشا وکلا۔

کافروں کا قیامت سے انکار و استبعاد

وَكَانُوا يَقُولُونَ أَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَئِنَّا لَمَبْعُوثُونَ أَوَآبَاؤُنَا الْأَوَّلُونَ۔ وہ کہتے تھے کیا جب ہم مرجائیں اور مٹی ہو جائیں اور ہڈیاں (رہ جائیں) تو کیا واقعی ہم اٹھائے جائیں گے؟ اور کیا ہمارے باپ دادا بھی جو (ہم سے) بہت پہلے گذرے وہ بھی (اٹھائے جائیں گے)؟ یعنی یہ مٹی اور یہ گلی سڑی بوسیدہ ہڈیاں دوبارہ زندہ ہوں گی اور اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ کہ ہمارے ماں باپ، دادا، پردادا جن کو گزرے ہوئے سالہا سال ہوچکے وہ بھی زندہ کئے جائیں گے؟ جن کی ہڈیاں بھی باقی نہ ہونگی۔

ان کو ایسا استبعاد کیوں ہے؟ انسان کی ابتدائے آفرینش جب مٹی سے ہوئی ہے اور آفرینش کی نسبت تو کسی قسم کا کوئی شک وشبہ نہیں۔ فلاسفہ بھی قائل ہیں کہ کائنات ارضی، زمین ہی سے عالم وجود میں آئی ہے تو دوبارہ اس سے پیدا ہونا کونسی مشکل بات ہے اور اس میں کونسا محال لازم آتا ہے؟ جس خدا نے ایک دفعہ ایسی تخلیق فرمائی تو اوسی کئے ہوئے کام کا اعادہ کیوں دشوار ہوگا؟ اس کا جواب ارشاد ہو رہا ہے:۔۔۔

۵۶ (آیت ۴۹ تا ۵۰)

منکرین قیامت کا جواب

56-49 قُلۡ اِنَّ الۡاَوَّلِیۡنَ وَ الۡاٰخِرِیۡنَ ۙ
56-50 لَمَجۡمُوۡعُوۡنَ ۬ۙ اِلٰی مِیۡقَاتِ یَوۡمٍ مَّعۡلُوۡمٍ ○ (اے نبی کریم!)

آپ فرما دیجئے کہ یقیناً اگلے اور پچھلے سب جمع کئے جائیں گے مقررۂ وقت پر ایک معلوم دن کے" یعنی اوس کی تعیین علم الٰہی میں ہے۔ اور اس کا علم اللہ کی کتابوں کے ذریعہ تم کو بھی کرا دیا گیا ہے کہ وہ دن ضرور آنے والا ہے۔ اور رسولوں کے ذریعہ اوس کی نشانیاں (علامتیں) بتا دی گئی ہیں۔ جب وہ دن آن پہنچے گا اور اوس دن کی وہ ساعت یعنی مقررہ گھڑی آجائے گی تو نہ صرف تم اور تمھارے آباواجداد بلکہ از آدمؑ تا ایں دم جتنے نفوس بھی دنیا میں آئے اور رہے بسے۔ اگلے اور پچھلے سب اکٹھا کرکے اٹھائے جائیں گے اور تمام ایک جگہ جمع کر دئے جائیں گے۔

قیامت کی ایک کھلی نشانی

سب سے کھلا نشان 'نبی آخرالزماںؐ' کی بعثت ہے جن کی آمد آمد کی بشارت انبیائے سابقین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین سناتے رہے۔ جن کے بعد پھر کوئی نبوت و رسالت نہ ہوگی جن کی کتاب کے بعد اور کوئی کتاب' نازل نہ ہوگی' جن کی شریعت کے بعد

پھر کوئی شریعت جاری نہ ہوگی ۔ جو رحمۃ للعالمین بن کر دنیا میں تشریف
لائے ۔ اور نبوت کے (۲۳) سال اور خلافت راشدہ کے (۳۰) سال
جملہ نصف صدی میں عالم انسانیت کی تکمیل اور اوس کی نجات کا وہ
محیر العقول سامان فراہم فرمادیا کہ تاریخ میں اوس کی نظیر نہیں اور سارے
عقلا و حکما و فلاسفہ آپ کی اس کامیابی پر انگشت بدنداں اور اقوام عالم کی
گردنیں آپ کے بار احسان سے خم ہیں ۔ اب نجات کا بس ایک ہی راستہ
ہے :۔ انّ الدین عند اللہ الاسلام ۔ دین جو درحقیقت دین
کہلانے کا مستحق ہے اللہ سبحانہ کے نزدیک یہی دین اسلام ہے " ومن
یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الاخرۃ من الخاسرین
اور جو کوئی اسلام کو چھوڑ کر کوئی دوسرا دین ڈھونڈے (خواہ وہ یہودیت ہو
یا نصرانیت ' بدھ مت ہو یا ہندو مت ' یا اور کوئی) ہرگز قبول نہ کیا
جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں شمار ہوگا "
آگے ارشاد ہے :۔

دوزخیوں پر بھوک کا غلبہ اور اون کی غذا	ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ۙ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ

56-51
56-52

(۵۲،۵۱ - ۵۶ (آیہ)

56-53 شَجَرٍ مِّنۡ زَقُّوۡمٍ ۙ فَمٰلِـُٔوۡنَ مِنۡهَا الۡبُطُوۡنَ ۚ پھر تم اے بہکے ہوئے

جھٹلانے والو! ضرور کھاؤ گے ایک درخت سے سینڈ کے' پھر بھرو گے اوس سے

پیٹ"۔

قیامت کا انکار اور دوبارہ زندہ ہونے کی تکذیب کرنے والے کافروں کو قبروں سے اٹھانے کے بعد کیا ہوگا اوس کا بیان فرمایا جارہا ہے کہ اٹھتے ہی اون کو حساب و کتاب کے لئے ایک مقام پر جمع کیا جائے گا۔ اُس سے فارغ ہونے کے بعد حق حق فیصلہ سنا دیا جائے گا تو وہ دوزخ کی طرف ہانکے جائیں گے۔ راستہ میں جو صورت حال درپیش ہوگی اوس کا بیان ہو چکا جب وہ دوزخ میں پہنچیں گے تو بھوک اور پیاس سے جاں بلب ہو جائینگے۔ بھوک کا غلبہ اس درجہ ہوگا کہ جو چیز بھی مل جائے بے سوچے سمجھے اوس پر ٹوٹ پڑتے ہوں گے۔ لیکن وہاں کچھ نہ ہوگا۔ صرف سینڈ کے درخت نظر آئیں گے۔ یہ اوسی پر ٹوٹ پڑیں گے۔ اس کے پھول پتے بھی ہوتے ہیں اور پھل بھی۔ نیز اس کا دودھ بھی ہوتا ہے۔ اس کو برسوں پانی نہ ملے تب بھی وہ ہرا بھرا' تازہ توانا رہتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس کے متعدد اقسام ہیں۔ پھول اور پتوں کا کیا ذکر' کیوں کہ کوئی اون کو ہاتھ تک نہیں لگاتا۔ پھل کا

یہ حال ہے کہ کانٹوں سے بھرا ہوا۔ اور کانٹے بھی زہریلے۔ اوس کے دودھ
کا یہ حال کہ جسم کو جہاں لگ گیا اوس سے آبلے آ گئے۔ اور اوس قدر حصہ جسم
گل گیا۔ یہ صفت دنیا کے سینڈ کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اوس کو اونٹ کے
سوا دوسرے جانور تک نہیں کھاتے مگر دوزخی اس پر ٹوٹ پڑیں گے اور
اسی سے اپنے پیٹ بھر لیں گے تو اس سے ان کی بھوک کی شدت کا اندازہ
کیا جا سکتا ہے۔ نیز اوس کو خوب پیٹ بھر کر کھا لینے کے جو نتائج ہوں گے
اوس کو بھی خوب سمجھ لیجئے۔ یہ بیان دوزخیوں کی بھوک اور اون کی غذا کا
ہوا۔ پیاس کا کیا عالم ہوگا اور پینے کو کیا ملے گا اوس کو بھی سن لیجئے۔

6-54 6-55 فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ ۚ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ۝
6-56 6-57 هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ۝ نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ۝

پھر پیو گے اس پر کھولتا پانی، جیسے پیتے ہیں پیاسے اونٹ، یہ اُن کی مہمانی
ہے انصاف کے دن، ہم نے تم کو بنایا پھر کیوں نہیں سچ مانتے۔"

مطلب یہ کہ دوزخیوں پر یا تو بھوک کا وہ عالم ہوگا کہ بیتاب ہو کر سینڈ
جیسی ضرر رساں چیز کی پرواہ نہ کر سکیں گے اُس پر ٹوٹ پڑیں گے۔ یا پیاس
اور تشنگی کا یہ حال ہوگا کہ پانی سے ترسا ہوا اونٹ جس طرح پریشان ہو کر

پینے کی چیز پر گرتا ہے یہ بھی کھولتے ہوئے بدبودار پانی پر گریں گے۔ اور پیتے جائیں گے۔

ھیم کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ الابل یأخذھا داء یقال لھا الھیم فلا تروی من الماء فشبّہ اللہ تعالیٰ شرب اھل النار من الحمیم بمنزلۃ الابل الھیم۔ (طشتی) اونٹوں کو ایک بیماری ہوتی ہے جس کو "ھیم" کہتے ہیں اوس میں پیاس دفع نہیں ہوتی یہاں اللہ سبحانہ تعالیٰ نے دوزخیوں کے گرم پانی پینے کو ان بیمار اونٹوں سے تشبیہ دی ہے"۔ ضحاک، قتادہ، عکرمہ وغیرہم سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

فقیر عرض کرتا ہے کہ یہ بیماری استسقاء کی سی ہے کہ اس میں بھی انسان کی تشنگی بجھتی نہیں بلکہ وہ پانی جیسا جیسا پیتا جاتا ہے اوس کی تشنگی میں اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے۔ سعدیؒ فرماتے ہیں:۔

دیدہ از دیدنش نہ گشتے سیر ہم چناں کز فرات مستسقی

دوزخیوں کی پہلی خوراک ھٰذَا نُزُلُھُمْ یَوْمَ الدِّیْنِ۔ یہ ان کی مہمانی ہے انصاف کے دن" نُزُلْ کہتے ہیں اوس پیشکش کو جو کسی تازہ وارد

کے لئے اول الامر پیش کیا جاتا ہے۔ یعنی دوزخی جب میدان حشر سے راستہ طے کرتے ہوئے جہنم داخل ہوں گے تو صعوبت سفر اور بھوک اور پیاس کے مارے بے چین ہو کر کھانے پانی کی خواہش کریں گے تاکہ تکان دفع ہو اوس وقت اون کی ضیافت زقوم اور حمیم سے ہوگی عالم اضطراب میں وہ ان ہی چیزوں پر ٹوٹ پڑیں گے۔ اور خوب کھائیں گے اور پئیں گے مگر جیسا جیسا کھاتے پیتے جائیں گے بھوک پیاس جو پیشتر سے ہے وہ تو دفع نہ ہوگی بلکہ اوس میں اضافہ ہی ہوتا جائے گا۔ کیوں کہ سینڈ ایک آتش گیر مادہ بھی ہے اس سے باروت بنائی جاتی ہے۔ کیا عجب ہے کہ پیٹ میں جانے کے بعد وہ بھڑک اوٹھے اور بیرونی تکالیف کے علاوہ اس اندرونی سوزش سے بھی دوچار ہوں۔ مقام غور ہے کہ جہنم کی ابتدائی منزل کا یہ دردناک منظر ہے تو آیندہ کیا کیا مراحل درپیش ہوں گے۔ اون کی صراحت دوزخ کے تفصیلی بیان میں ہوگی۔ یہاں اسی اشارہ پر اکتفار کی گئی ہے۔ والعاقل تکفیہ الاشارۃ۔

نصیحت بہ ضمن واقعہ قیامت آخر پر ارشاد ہو رہا ہے: — نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ۔ ہم ہی نے تم کو پیدا کیا ہے پھر مانتے

کیوں نہیں ؟ یعنی وہ منزل اور وہ مرحلہ ابھی دور ہے ۔ اقتضائے دانشمندی
یہ ہے کہ اگر اُس کے درپیش ہونے سے پہلے ہی آگاہ کیا جارہا ہے تو اُس سے
متنبہ ہوجائیں انکار اور ضد سے کام نہ لیں ۔ خود پیدا کرنے والا اور بنانے والا
آگاہ فرمارہا ہے تو اوس کے ماننے اور قبول کر لینے میں پس وپیش کیوں ہے
ایک بار پیدا کرنے والے کے لئے دوبارہ پیدا کرنا کچھ دشوار امر نہیں۔
کیا ہوا کام ہے ۔ دوبارہ بھی کرسکتا ہے ۔ جب دوبارہ اٹھایا جائے گا تو
منکرین و معاندین کے ساتھ یہ سلوک ضرور ہوگا اور وہ عقلاً و نقلاً و عرفاً
ایسے سلوک کے مستحق و مستوجب ہوں گے ۔ پھر کوئی بچا نہ سکے گا ۔ بہتر ہے کہ
اب بھی مان لیں۔

اس کے بعد نہایت حکیمانہ اور مشفقانہ انداز میں چند مثالیں پیش نظر
لائی جارہی ہیں ۔ ارشاد ہے :—

6-58 اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ
6-59 الْخٰلِقُوْنَ ۝ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ۝
6-60 6-61 عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَلَقَدْ
6-62 عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ بھلا دیکھو تو جو پانی

تم ٹپکاتے ہو، کیا تم اُس کو بناتے ہو یا ہم ہیں بنانے والے، ہم ٹھہرا چکے
تم میں مرنا، اور ہم عاجز نہیں اس بات سے کہ بدلے میں لے آئیں تمھاری
طرح کے لوگ، اور اٹھا کھڑا کریں تم کو وہاں، جہاں تم نہیں جانتے، اور
تم جان چکے ہو پہلی اُٹھان، پھر کیوں نہیں یاد کرتے "

پہلی مثال مادّہ تولید | مادہ تولید جس سے انسان کی آفرینش ہے اوس کی حقیقت قطرۂ آب سے زیادہ نہیں۔ یہ کس طرح بنتا ہے اور رحم میں آنے کے بعد اوس کے جو اطوار بدلتے ہیں اور وہ نئی نئی صورت اختیار کرتا ہے کبھی وہ نطفہ تھا، پھر خون بنا، پھر بستہ خون ہوا، پھر گوشت بنا، پھر اس پر نقشہ کھنچ گیا۔ پھر اوس میں روح پھونکی گئی۔ اب وہ حرکت کرنے لگا۔ پھر خوب صورت بچہ پیدا ہوا۔ یہ جملہ تغیرات پانی کے قطرہ میں کس طرح آئے۔ ءانتم تخلقونہ۔ کیا یہ تمام تغیرات تمھارے لائے ہوئے ہیں؟ تمھارا دخل اس عرض مدت میں اگر کچھ تھا تو صرف اسی حد تک کہ اوس کو ٹپکا دیا اور بس۔ پھر اوس کے جو جو اطوار بدلے اون سے تم کو دور کا تعلق بھی نہ تھا اس وجہ سے کہ وہ جہاں جائے گیر ہوا وہاں تک تم کو دسترس حاصل نہ تھی۔ لہذا یہ خیال دل سے نکال دینا ہوگا کہ

تم نے اوس سے کچھ بنایا۔جب یہ ثابت ہو گیا تو لامحالہ اقرار کرنا ہو گا کہ اس کو
کسی بنانے والے نے بنایا۔ وہ بنانے والا، تم اور تمھارے ابنائے جنس کو
چھوڑ کر کوئی دوسرا ہی ہو گا۔کیونکہ تمھارے ابنائے جنس بھی تمھاری طرح
ایسی تبدیل و تغییر سے عاجز اور قاصر ہیں۔نتیجہ یہی نکلا کہ کسی باکمال حکیم و
قدیر، سمیع و بصیر، متکلم و مرید، علیم و خبیر، حی و قیوم نے بنایا چنانچہ یہی
سوال ہو رہا ہے :۔ اَمْ نَحْنُ الْخَالِقُوْنَ ۔یا اوس کے بنانے والے ہم ہیں
اقرار کرنا پڑتا ہے کہ بنانے والے ہم نہیں بے شک آپ ہیں۔

تقدیر موت اور اس کی حکمت جب یہ مان لیا گیا تو ارشاد ہو رہا ہے
کہ جس طرح ہم نے بنایا ہے نَحْنُ قَدَّرْنَا بَیْنَکُمُ الْمَوْتَ ۔ہم نے تمھارے
درمیان موت کو بھی چھپا رکھا ہے یعنی دنیا میں جس قدر افراد انسانی موجود
ہیں ایک دن یہ پیدا ہوئے ہیں تو ایک دن مرنے والے بھی ہیں جس طرح
آفرینش کا ایک وقت مقرر کیا تھا اور اوس کا علم کسی کو نہیں دیا گیا
حقیقی علم تو اوسی وقت ہوا جب کہ بچہ اس عالم شہادت میں آیا۔اس سے
پیشتر بیسیوں علامات اور قرائن کے موجود ہوتے ہوئے بھی کسی کو معلوم نہ تھا
کہ کیا ہونے والا ہے؟ ٹھیک اسی طرح انسان کی موت بھی مقدر رہی یعنی

لکھدیا گیا ہے کہ کب اور کہاں اور کس طرح ہوگی مگر اس کو کوئی نہیں جانتا۔

بعض چیزوں کا علم نہ ہونا بھی رحمت ہے

موت کا علم نہ ہونا بھی بڑی رحمت و عنایت ہے کہ وقتِ آخر تک انسان چلتا پھرتا، کھاتا پیتا، ہنستا بولتا، اطمینان کے ساتھ گزارتا ہے۔ اگر اوس کو معلوم ہو جاتا کہ فلاں وقت مقرر ہے تو اوس کا تصور کر کے نہ معلوم کتنے دن پیشتر سے اوس کا خواب و خور، عیش و تنعم، برخاست ہو جاتا۔ یا دوسروں کے حق میں وبال جان بن جاتا۔ جیسا کہ اون عہدہ داروں کا حال ہے جو ایک مدت معینہ کے لئے کسی خدمت پر مامور ہوتے ہیں۔ جب اون کی علیحدگی کا زمانہ قریب آتا ہے تو ٹھنڈی سانسیں بھرتے رہتے ہیں یا لوٹ کھسوٹ پر اُتر آتے ہیں۔

حیات و موت دونوں کے مالک جب ہم اور صرف ہم ٹھہرے تو ہماری توحید کا اقرار کیوں نہیں کرتے، ہماری کتاب کیوں نہیں پڑھتے اور ہمارے رسول کا اتباع کیوں نہیں کرتے جو تمھارے لئے بہترین مثال اور خیر مجسم کا نمونہ بن کر تمھارے ہاں آئے ہیں۔ اور ہماری باتوں کا یقین کیوں نہیں کرتے کہ ایک دن انصاف کا آنے والا ہے اوس میں حساب و کتاب ہوگا۔

سوال و جواب ہوگا۔ عذاب و ثواب ملے گا۔ ایسا ہونا عقل و نقل تجربہ و مشاہدہ کے عین مطابق ہے پھر اس کے ماننے میں کیوں لیت و لعل شک شبہہ اور پس و پیش ہے۔ یہی تعلیم ہر آسمانی کتاب کے ذریعے دی گئی۔ اور یہی پیام جملہ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام نے پہنچایا۔

وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْمَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ اور ہم اس امر سے عاجز نہیں ہیں کہ بدلے میں لے آئیں تم جیسے لوگ، اور اٹھا کھڑا کریں تم کو وہاں جس کو تم نہیں جانتے"۔

مطلب یہ کہ جب دوسروں کی طرح تمھاری موت کا بھی ایک وقت مقرر ہے تو وہ اپنے وقت پر آکر رہے گی۔ اور یہاں سے تم اپنی جگہ خالی کردو گے۔ پھر ہم اس خلاء کو تم جیسے دوسرے انسانوں سے پُر کریں گے۔ چنانچہ یہی سنت اللہ، سیدنا آدم سے تا ایں دم چلی آرہی ہے تم کو اور ہر ایک کو دارِ آخرت کے لئے جو کچھ زادراہ لینا ہے اسی عرصہ میں حاصل کرلینا چاہئے۔ تمھارے یہاں سے رخصت ہونے کے بعد پھر کوئی موقع زادراہ حاصل کرنے کا نہیں رہے گا۔ البتہ جو لوگ تمھاری جگہ آنے والے ہیں

اب اُن کی باری آئے گی۔ انسان ہونے کے اعتبار سے وہ بھی تم جیسے ہوں گے زادِ راہ حاصل کرنے کے مواقع پوری طرح اون کو بھی حاصل رہیں گے لیکن اوس کے حاصل کرنے یا نہ کرنے میں اوس جماعت کا تم جیسا ہونا ضرور نہیں۔ ممکن ہے کہ وہ تم سے بہتر ثابت ہوں۔ یا وہ بھی تم جیسے ہی ہوں یا تم سے بھی بدتر۔ یہ حال تو آنے والوں کا ہوا۔ مگر جو یہاں سے جاتے ہیں اُن کا حال یہ ہوتا ہے کہ ہم اُن کو ایسی جگہ لے جاتے ہیں جہاں کے احوال سے تم محض ناواقف ہو۔ جس کی صراحت دیگر مقامات میں آئیگی کہ عالم برزخ، حشر و نشر، موقف، سوال و جواب، حساب و کتاب، عذاب و ثواب وغیرہ جو بھی ہو۔

فیما لا تعلمون کی دوسری تفسیر

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں:۔ من کونکم قردۃ وخنازیر۔ (روح المعانی) یعنی ارشاد خداوندی یوں ہے کہ ہم اس سے بھی عاجز نہیں ہیں کہ تم کو بندر اور خنزیر بنا دیں۔" یہ اس بنا پر ہے کہ آیات اللہ کا اقتضاء یہ ہے کہ انسان اون کا مطالعہ کرے۔ بار بار تلاوت کرتا رہے اور اون کے معانی و مطالب پر غور و فکر کرے۔ تدبر و تفکر سے جو مضامین اوس کے

ذہن پر القا ہوں اُن سے متاثر ہو۔ جو قوم یہ کام چھوڑ دے تو اللہ سبحانہ کے نزدیک اس کی حیثیت اوس کے ان صفات کے لحاظ سے بندر اور خنزیر کی سی ہوئی کہ بندر کی صورت اور اعضاء انسان کے سے ہیں مگر اوس میں تدبّر و تعقّل نہیں یا خنزیر کی سی ہوئی کہ لطیف اور پاکیزہ چیزوں کو چھوڑ کر کثیف اور نجس کا رُخ کرتا ہے۔ ایسا انسان صفتہً تو بندر و خنزیر ہو چکا۔ اگر مزید ناراضی خداوند تعالیٰ شانہٗ کی اوس سے ہو جائے تو کیا عجب ہے کہ نعوذ باللہ اوس کی صورت ظاہری بھی اوسی جنس میں تبدیل فرما دے۔ بہر حال ڈرنے کا مقام ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

یہ حضور رحمۃ للعالمین ؐ کا صدقہ ہے کہ آپ کی امت خواہ وہ امت اجابت ہو یا امت دعوت، صورتوں کے مسخ کئے جانے سے اوس کی حفاظت فرمائی گئی ہے تو اس کے شکریہ میں تمام بنی نوع انسان مسلم و غیر مسلم سب کا فرض ہے کہ وہ اپنے قلوب کو بھی ایسے ذلیل و رذیل اوصاف سے پاک و صاف رکھیں۔ اور بنی اسرائیل کی طرح نہ ہوں جن کی صورتوں کو مذکورہ خبیث صورتوں میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ اور اسی طرح ایڑیاں گھس گھس کر ہلاک و برباد ہوئے۔ بہر حال اس میں

ایک سبق اور بہت بڑی عبرت ہے۔

نشأۃ اولیٰ پر نشأۃ ثانیہ کا قیاس | وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَۃَ الْاُولٰی
فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ۔ پہلی اُٹھان کا حال تو تم جان چکے ہو پھر (دوسری اُٹھان کو اسی سے) کیوں نہیں یاد کر لیتے؟

مطلب یہ کہ اس کائنات کی نشأۃ اولیٰ یعنی ابتدا جب ہوئی تھی تو مادہ یعنی عناصر اربعہ کا وجود نہ تھا۔ اللہ سبحانہ نے اپنی قدرت کاملہ سے مادہ کو پیدا کیا پھر اوس سے ساری کائنات مادی بنائی۔ اُس وقت ایسا بنانا اللہ سبحانہ کے لئے کچھ مشکل امر نہ تھا تو کائنات کے درہم برہم کر دئے جانے کے بعد دوبارہ اوس کو ایجاد کرنا جب کہ ہر چیز کا مواد موجود ہو کیا مشکل ہے؟ عقل اور مشاہدہ کی رو سے امر اول مشکل تھا وہ تو بآسانی طے ہو چکا۔ اب امر ثانی جو عقلاً و مشاہدۃً سہل ہے وہ کیوں دشوار ہوگا؟ اتنی بات عقل و دانش رکھنے والا انسان کیوں نہیں سمجھ لیتا؟

قوم سے خطاب | وفی الخبر عجباً کل العجب للمکذب بالنشأۃ الآخرۃ
وھو یری النشأۃ الاولیٰ وعجباً للمصدق بالنشأۃ الآخرۃ وھو یسعی لدار الغرور۔ (روح البیان) بعض حدیثوں میں ہے۔ کیا ہی تعجب ہے

نشأۃ آخرت کو جھٹلانے والے پر کہ وہ نشأۃ اولیٰ کو دیکھ رہا ہے (پھر اس کو دیکھتا ہوا نشأۃ آخرۃ کی تکذیب کیا جارہا ہے) اور جو نشأت آخرت کی تصدیق کرتا (اور اوس کو مانتا) ہے اوس پر بھی تعجب ہے کہ (نشأت آخرت کو صحیح تسلیم کرتے ہوئے بھی) دارغرور (یعنی دنیا، جو درحقیقت ایک دھوکہ کی ٹٹی ہے) بس اسی کو سنوارنے کی دھن میں لگا ہوا ہے اور اپنی تمام تر کوشش دنیا ہی کے لئے کیا جارہا ہے (اور نشأۃ آخرت سے غافل ہے)۔

آں کہ مارا ز خلوت نابود — می کشد تا بہ جلوہ گاہ وجود
بار دیگر کہ از سموم ہلاک — روئے پوشیم زیر پردہ خاک
ہم تواند بہ امر کن فیکون — کارد از گوشۂ لحد بیروں

اگر اب تک غفلت میں گزری تو کیا ضرور ہے کہ آئندہ بھی غفلت کا شکار بنے رہو۔ کیوں چونکتے نہیں؟ حضرت ابراہیم ادھم، فضیل بن عیاض، مالک بن دینار قدس اللہ اسرارہم کے احوال پڑھ لیجئے دیکھئے کہ ابتدا کیا تھی۔ مگر جب وہ چونک گئے تو کیا مستعدی دکھائی اور کیسا کمال حاصل کیا جس کے باعث آج اون کا نام کس عزت سے لیا جاتا ہے۔ اور اسی طرح تا قیامت لیا جاتا رہے گا۔ اللہ سبحانہ ہم سب کو توفیق دے۔ آمین۔

قیاس بھی اصل شرعی ہے اس آیہ کریمہ میں "قیاس" سے کام لینے کا مطالبہ فرمایا جارہا ہے کہ فلولا تذکرون۔ کیوں نہیں یاد کرتے اور نصیحت لیتے اور کیوں نہیں قیاس کرتے؟ اس سے "قیاس" کا اصل شرعی ہونا ثابت ہوتا ہے اور جو لوگ منکرین قیاس ہیں مثلاً ظاہریہ اور غیر مقلدین، ان کا رد ہوتا ہے۔ احکام شرعیہ جس طرح کتاب[1] اللہ، سنت[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اور اجماع[3] امت سے ثابت ہوتے ہیں اسی طرح قیاس[4] سے بھی ثابت ہوتے ہیں۔ اور ان اصول اربعہ سے جملہ مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ مسائل نامتناہی ہیں ہر مسئلہ کے لئے نصوص صریحہ کہاں تک ملیں گے۔ لامحالہ قیاس سے کام لینا ہوگا کسی مسئلہ خاص میں نص موجود نہ ہو اور قیاس سے کام نہ لیا جائے تو مسئلہ مجہول ہی رہے گا جہل رفع نہ ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ترک قیاس جہل ہے جب ترک قیاس جہل ہے تو قیاس علم ہوا۔ وہو المطلوب۔

قیاس مجتہد کی صحت البتہ یہ جاننا ضروری ہے کہ "قیاس" سے ہماری مراد مجرد قیاس اور ہر کس و ناکس کا قیاس نہیں ہے بلکہ قیاس مجتہد جو نص پر مبنی ہو۔ نص کے خلاف نہ ہو۔ کما قال المولی الرومی قدس سرہ :—

مجتہد ہرگہ باشد نص شناس اندراں صورت نیندیشد قیاس

چوں نیابد نصّ اندر صورتے از قیاس آنجا نماید عبرتے

ایں قیاسات وتحرّی روز ابر تا بشب مر قبلہ را کردست حبر

لیک با خورشید و کعبہ پیش رُو ایں قیاس وایں تحرّی را مجو

سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ صلاۃ اللیل ادا فرما رہے تھے اس آیہ کریمہ پہنچے :۔ أفرأیتم ما تمنون ءأنتم تخلقونہ ام نحن الخالقون بھلا دیکھو تو جو تم پانی ٹپکاتے ہو اوس پانی سے بچہ کیا تم بناتے ہو یا ہم ہیں بنانے والے؟ تو تین تین دفعہ یوں عرض کرنے لگے بل انت یا ربّ بلکہ اے پروردگار! آپ ہی نے " پھر دوسری آیۃ کریمہ ءأنتم تزرعونہ پڑھی کیا تم دانے کو کھیتی بنا دیتے ہو تو عرض کیا بل انت یا ربّ تین دفعہ فرمایا۔ آپ ہی اوس کو کھیتی بنا دیتے ہیں " پھر تیسری آیہ کریمہ ءأنتم انزلتموہ پڑھی یعنی کیا ابر سے پانی تم برساتے ہو۔ تین دفعہ فرمایا بل انت یا ربّ نہیں بلکہ یا رب آپ ہی نے " پھر چوتھی آیہ کریمہ ءأنتم انشأتم شجرتھا۔ کیا تم نے اوس کے درخت کو اٹھا کھڑا کیا۔ جواب میں تین دفعہ فرمایا بل انت یا ربّ۔ نہیں بلکہ یا رب! آپ ہی نے " (عبدالرزاق، ابن المنذر، حاکم، بیہقی عن حجر المرادیؒ)

اسی بنا پر بعض علمائے کرام فرماتے ہیں کہ تلاوت کے وقت ان مواقع پر

مستحب یہ ہے کہ مذکورہ ہر آیت کے بعد بل انت یا ربّ کہنے جائیں۔ واللہ اعلم

6-63 6-64 اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ۝ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ

6-65 6-66 نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ۝ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ۝

6-67 اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ۝ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ۝ بھلا دیکھو تو جو تم بوتے ہو

کیا تم کرتے ہو اُس کو کھیتی، یا ہم ہیں کھیتی کر دینے والے، اگر ہم چاہیں تو کر ڈالیں اس کو روندا ہوا گھانس، پھر تم رہ جاؤ دن تمام باتیں بناتے کہ ہم تو قرضدار رہ گئے، بلکہ ہم بے نصیب ہو گئے۔

غلّہ کی پیداوار پر ایک نظر

اناج، غلہ جس کو تمام دنیا کھاتی ہے اور اسی پر زندگی ہے۔ اس پر بھی کبھی غور کیا کہ اس کے حاصل کرنے اور اس کی پیداوار تک کتنے مراحل درکار ہیں۔ دانہ بویا گیا جو زمین میں چھپ جانے کے بعد شق ہوا اور جو مُولکا بن کر زمین سے برآمد ہوا، پھر پرورش پا کر پودے کی شکل اختیار کی۔ بارآور ہوا، پھر پختہ ہونے کے بعد کاٹ لیا گیا۔ یہ جملہ مراحل ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ معمولی عقل و فہم والے کسان سے لے کر بڑے بڑے عقلاء و فلاسفہ سبھی کا مشاہدہ اور روزمرّہ کی بات ہے۔ غور طلب یہ ہے کہ دانہ جو کھیتی کی شکل اختیار کرتا ہے اس دوران

بیج کو جو مراحل در پیش ہوتے ہیں اون میں انسانی فعل کو کہاں تک دخل ہے؟ بس اسی حد تک کہ دانہ زمین میں ڈال دیا۔ اب آگے جو مراحل ہیں وہ انسانی طاقت سے باہر ہیں۔ ہر مرحلہ پر آفات سے بچانا اور محفوظ رکھکر اوس کو آگے بڑھانا اور ترقی دینا' بالکلیہ دست قدرت میں ہے۔

کھیتیوں کے آفات | ٹڈیوں کا زراعت کو پامال کرنا' لہلہاتی کھیتی کا باد سموم کے ایک جھونکے سے سیاہ پڑجانا' برف باری' ژالہ باری سے تباہ ہوجانا' پانی کی کمی سے خشک ہوجانا' یا پانی کی زیادتی کے باعث سڑجانا' غرقاب ہونا وغیرہ آفات پر انسان کا اقتدار کس حد تک ہے مقام غور ہے۔ اگر ان تمام آفات ارضی وسماوی سے زراعت کو محفوظ رکھکر غلہ انسان کے ہاتھ آیا تو کتنے شکر کا مقام ہے۔ کوئی اوسکو سوچے اور سمجھے۔ اسی لئے ارشاد ہورہا ہے:۔ لو نشاء لجعلنه حطاما فظلتم تفکھون انا لمغرمون بل نحن محرومون۔

اگر ہم چاہیں تو اوس کو ریزہ ریزہ کردیں۔ اوس وقت تم کہنے لگو کہ ہم پر ڈنڈ پڑ گیا ہم محروم و بے نصیب رہ گئے۔ یعنی زمین صاف کی' بیج ڈالا' حفاظت کی' پانی دیا' محنت کی' جانوروں سے خدمت لی'

راتوں رات جاگ کر نگرانی رکھی، سب کچھ اکارت گیا۔ اس کے علاوہ اوس پر جو روپیہ قرض لے کر خرچ کیا محصول ادا کیا اس کا بوجھ دوش پر رہ گیا۔ ہائے ہائے کرتا ہے، واویلا مچاتا ہے دنیا میں کوئی ہے جو تم کو ان آفات سے بچا سکے؟ جب کوئی نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو اللہ سبحانہ پر ایمان کیوں نہیں لاتے اور اپنا اعتقاد کیوں درست نہیں کرتے کہ جو خدا ایک دانے سے سات بھٹے اور ہر ایک میں سو سو دانے پیدا کرتا ہے بلکہ جس کو چاہے اس سے بھی زیادہ اضعافاً مضاعفہ برکت دیتا ہے کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ مرے ہوئے انسان کو دوبارہ اٹھائے ضرور قادر ہے۔ آمنا وصدقنا۔

آداب زراعت حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

لا یقولنّ احدکم زرعتُ ولکن لیقل حرثت۔ (بزار، ابن جریر، ابن مردویہ، ابونعیم، بیہقی عن ابی ہریرۃ رضی) تم میں سے کوئی یوں نہ کہے کہ میں نے بویا کھیتی کی۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ میں نے بیج ڈالا۔ راوی حدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے بعد فرماتے ہیں:۔ الم تسمعوا اللہ یقول افرأیتم ما تحرثون ءانتم تزرعونه ام نحن الزارعون

کیا تم نے اللہ جل شانہ کا یہ ارشاد نہیں سنا جس میں فرمایا بھلا دیکھو تو جس کا بیج تم ڈالتے ہو کیا اوس کو تم اگاتے ہو یا ہم ہیں اگانے والے؟ کیا پیارا استدلال ہے سبحان اللہ۔

کسان کیلئے توکل ضروری ہے

حضرت انس رض فرماتے ہیں:۔ مرّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بارض الانصار فقال ما یمنعکم من الحرث قالوا الجدوبة قال افلا تفعلون فان اللہ تعالی یقول انا الزارع ان شئت زرعت بالماء وان شئت زرعت بالریح وان شئت زرعت بالبذر ثم تلا رسول اللہ علیہ الصلاۃ والسلام افرأیتم ما تحرثون۔ (روح البیان) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر انصار کی زمین پر ہوا تو فرمایا۔ بیج ڈالنے میں تمھیں کون امر مانع ہے؟ عرض کیا خشک سالی۔ آپ نے فرمایا۔ تم اپنا کام کیوں نہیں کرتے باری تعالی کا ارشاد ہے کہ اگانے والا میں ہوں۔ چاہوں تو پانی سے اگاؤں اور چاہوں تو ہوا سے اگاؤں اور اگر چاہوں تو بیج ہی سے اگاؤں۔ پھر آپ نے آیہ کریمہ افرأیتم ما تحرثون کی تلاوت فرمائی "۔ مطلب یہ کہ اللہ والے اللہ سبحانہ کی ذات پر بھروسہ رکھتے ہیں اور اوسی کے بھروسہ پر اپنا کام کرتے ہیں

اللہ اون کا کام بنا دیتا ہے سارا اقتدار اُسی کے ہاتھ ہے۔

کھیتی کیلئے ایک مجرب دُعا علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں:۔ کسان کے لئے مستحب یہ ہے کہ تعوّذ کے بعد مذکورہ آیات کریمہ کی تلاوت کرے اور یوں کہے:۔ اللہ تعالی الزارع والمنبت والمبلّغ اللھم صل علی محمد وارزقنا ثمرہ وجنّبنا ضررہ واجعلنا لانعمک من الشاکرین۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہی اگانے والا اوس کو حد کمال پر پہنچانے والا ہے۔ الہٰی! اپنی رحمتیں حضرت (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرما اور اس کا ثمرہ ہم کو کھلا اور اوس کے ضرر سے بچا۔ اور ہم کو آپ کی نعمتوں کا شکر گزار بنا۔ یہ کہنے کے بعد انشاء اللہ کھیتی کو کوئی ضرر نہ پہنچے گا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ مجرب دعا ہے۔

طغیانی اور خشک سالی کا راز حدیثوں میں یہ بھی ہے:۔ ما سنۃ بامطر من اخری ولکن اذا عمل قوم بالمعاصی حوّل اللہ ذلک الی غیرھم فاذا عصوا جمیعا صرف اللہ ذلک الی الفیافی والبحار۔ (روح البیان) برسات کے اعتبار سے ایک سال کو دوسرے سال پر کچھ فضیلت نہیں سب برابر ہیں۔ اصل یہ ہے کہ کوئی قوم گناہوں میں مبتلا ہوتی ہے تو

اللہ سبحانہ پانی کو دوسری قوم کی طرف پھیر دیتا ہے۔ اور جب سبھی نافرمان بن جاتے ہیں تو اوس کو صحراؤں اور سمندروں کی جانب پھیر دیا جاتا ہے۔"

طہارت موجب برکت ہے ایک حدیث شریف یہ ہے :-
دم علی الطہارۃ یوسع علیك الرزق۔ طہارت کے پابند رہو تمہارے رزق میں وسعت دی جائے گی۔" **فقیر** عرض کرتا ہے۔ یہاں طہارت ظاہری و باطنی دونوں مراد ہیں۔

ایک شبہہ کا ازالہ یہاں یہ خیال نہ کیا جائے کہ اللہ والے ہمیشہ با طہارت رہتے ہیں پھر ان پر تنگی کیوں رہتی ہے۔ جواب یہ ہے کہ ادن کی شان الذی ھو یطعمنی و یسقینی ہے۔ تو اللہ سبحانہ ادن کے کھانے پینے اور تمام حاجات کا کفیل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہر حال میں خوش ہیں شکوہ و شکایت سے دور۔ اگرچہ یہ حضرت ابراہیمؑ کا قول ہے لیکن حضور اکرمؐ بھی فرماتے تھے :- ابیت عند ربی وھو یطعمنی و یسقینی۔ میں اپنے پروردگار کے ہاں شب گزارتا ہوں وہی مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔" اللہ سبحانہ نے حضرت مریمؑ کی نسبت خبر دی :- کلما دخل علیھا زکریا المحراب وجد عندھا رزقا۔ جب کبھی حضرت زکریا علیہ السلام حضرت مریمؑ کے ہاں تشریف

لانے تو ان کے پاس رزق رکھا پاتے "ایسی بیسیوں مثالیں ہیں۔ بہرحال رزق
کس کا اُگایا ہوا ہے۔ بے شک اے ہمارے پروردگار! آپ ہی نے اُگایا"۔

شکرِ نعمت ہائے تو چندانکہ نعمت ہائے تو
عذرِ تقصیراتِ ما چندانکہ تقصیراتِ ما

تیسری مثال آبِ خوردنی | آگے ارشاد ہے:۔ اَفَرَءَیْتُمُ الْمَآءَ
6-68 6-69 6-70 الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ ؕ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ
الْمُنْزِلُوْنَ ۝ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ۝
بھلا دیکھو تو پانی کو، جو تم پیتے ہو، کیا تم نے اُتارا اُس کو بادل سے یا ہم ہیں
اُتارنے والے، اگر ہم چاہیں کر دیں اُس کو کھاری، پھر کیوں نہیں احسان
مانتے؟"

قیامت کا ثبوت پانی سے | پانی خود ایک نعمت ہے جو بے شمار نعمتوں کے
حصول کا سبب بنتا ہے۔ ارشادِ باری ہے:۔ وجعلنا من الماۤء کل
شیئ حیّ۔ پانی ہی سے ہم نے ہر زندہ رہنے والی چیز کو بنایا"۔ گویا یہ جوہر
حیات ہے۔ پانی کے رنگ، بو، ذائقہ، اوصاف و خواص کے اعتبار سے
اقسام ہیں۔ پھر اگر وہ پینے کا پانی ہو تو اوس کا کیا پوچھنا؟ ایک وصف

(۵۶ الواقعہ ۶۸ تا ۷۰)

اور زاید ہوا۔ یہ دوسری نعمت ہوئی۔ بہر حال ہم اس کو روزانہ پیتے ہیں لیکن کبھی غور کیا کہ اس کا اتارنے والا کون ہے؟ سمندر بھرے پڑے ہیں مگر پینے کے قابل نہیں۔ زمین کو کھودنے سے بھی پانی نکلتا ہے مگر بہتیرے مقامات میں پانی کھاری برآمد ہوتا ہے۔ بعض مقامات میں یہ وصف اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ تلخ (کڑوا) معلوم ہوتا ہے۔ با ایں ہمہ ابر سے جو پانی آتا ہے وہ شیریں ہوتا ہے درحالیکہ ابر بھی سمندر کے بخارات سے بنتا ہے۔ یہ تبدیلی کس طرح ہوئی اور کس کے حکم سے؟ یہ سب کچھ اذنِ الٰہی سے ہے۔ پھر اللہ سبحانہ پر ایمان کیوں نہیں لاتے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ بار بار پانی برسا کر تمہاری حیات نو کا سامان فرماتا ہے تو مرنے کے بعد تم کو دوبارہ اٹھانا کیا مشکل ہے؟

پانی کا شکر لو نشاء جعلنٰہ اُجاجاً فلولا تشکرون" اگر ہم چاہیں تو اُس کو کھاری بنا دیں پھر ہمارا احسان کیوں نہیں مانتے"۔ عن النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم انہ کان اذا شرب الماء قال الحمد للہ الذی سقانا عذباً فراتاً برحمتہ و لم یجعلہُ ملحاً اجاجاً بذنوبنا (ابن ابی حاتم عن ابی جعفرؒ) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب پانی نوش

فرماتے تو یوں شکر ادا فرماتے کہ ساری تعریف اللہ کے لئے سزاوار ہے
جس نے ہم کو اپنی رحمت سے خوشگوار شیریں (پانی) پلایا اور اس کو ہمارے
گناہوں کے باعث نمکین کھاری نہیں بنایا۔" اس دعا سے یہ بھی معلوم
ہوا کہ پانی کے شیریں بنانے میں ہمارے کسی عمل کا دخل نہیں ہے وہ خالص
رحمت الٰہی کا نتیجہ ہے۔ لیکن شیریں پانی کا کھاری ہوجانا وہ ہمارے گناہوں کی
شامت ہے۔

برسات کا استقبال حدیث شریف میں ہے: کان علیہ الصلاۃ
والسلام یکشف رأسہ عند نزول المطر ویقول حدیث عہد
بربہ۔ (روح البیان) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت شریف تھی کہ
بارش ہو تو سر برہنہ ہوکر اوس کی ابتدائی چھینٹیں سر پر لیتے اور فرماتے کہ یہ
پانی اپنے پروردگار کے پاس سے تازہ بتازہ آرہا ہے۔" برسات بھی
خداوند تعالیٰ شانہ کی ربانی تجلی ہے جو اوپر سے آرہی ہے لہٰذا اوس کا
استقبال اس طرح کرنا چاہیے کہ اوس کو سر پر جگہ دی جائے جو اشرف اعضا
ہے اس میں یہ حکمت ہو تاکہ وہ پانی موجب رحمت ثابت ہو۔ زحمت اور
تکلیف کا موجب نہ بنے۔ نیز اس موقع پر پانی کا بیان اس لئے فرمایا گیا تا

معلوم ہو سکے کہ جو خدا خشک سالی کو پانی برسا کر دفع فرما سکتا ہے اور ساری کائنات میں ہر سال تازہ روح پھونکتا رہتا ہے اوس کے لئے مردوں کو دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہے ؟

6-71 اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ؕ[۱] ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ
6-72 شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ۝ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا
6-73 لِّلْمُقْوِيْنَ[۲] ۝ۚ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ۝ۧ بھلا دیکھو تو آگ کو جسے تم
6-74 ع ۲ ۳۶ ۱۵

[۱] ورى الزند خرجت ناره واوراه غيره اذا استخرج ناره والزند الوارى الذى تظهر ناره سريعا وفى حديث على كرم الله وجهه حتى اورى قبسا لقابس اى اظهر نورا من الحق لطالب الهدى (لسان العرب) چقماق سے آگ جھڑتی ہے تو کہتے ہیں ورى الزند ۔ اور کوئی اوس کو چقماق سے نکالتا ہے تو کہتے ہیں اورى ۔ اور جس چقماق سے آگ جلد نکلتی ہے تو اوس کو الزند الوارى کہتے ہیں ۔ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث میں اورى قبسا جو آیا ہے اوس کے معنی یہ ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طالبانِ ہدایت کے لئے نورِ حق کو ظاہر فرمایا ۔

[۲] ارض قواء قفرة لا احد فيها وقال الفراء فى قوله عزوجل

سلگاتے ہو، کیا تم نے پیدا کیا ہے اس کا درخت یا ہم ہیں پیدا کرنیوالے

ہم ہی نے اوس کو بنایا یاد دہانی اور جنگل والوں کے نفع اُٹھانے کا سبب

لہذا اپنے پروردگار کے نام کی پاکی بیان کرتے رہو جو رب سے بڑا ہے "

پتھر سے آگ نکلنا | مطلب یہ کہ چقماق سے جو آگ نکلتی ہے اوس کو کبھی

(بقیہ حاشیہ ۲ صفحہ گذشتہ)

نحن جعلنها تذکرة ومتاعا للمقوین یقول نحن جعلنا النار تذکرة لجهنّم ومنفعة للمسافرین اذا نزلوا بالأرض القِیّ وهی القفر وقال ابو عبید المقوی الذی لا زاد معه یقال اقوی الرجل اذا انفد زاده (لسان العرب) خالی زمین جہاں کوئی نہ ہو اوس کو ارض قَوَاء کہتے ہیں۔ ارشاد باری نحن جعلنها تذکرة ومتاعا للمقوین کے معنی امام لغت فراء نے یہ بتلائے کہ ہم نے دنیا کی آگ کو جہنم کی آگ یاد دلانے والی بنایا ہے اور مسافرین کی منفعت کا سبب گردانا ہے جب کہ وہ ارض قِیّ یعنی خالی زمین میں اُترتے ہیں۔ (اور توشہ وغیرہ نہیں رہتا تو اسی آگ کے ذریعہ اپنا کھانا پکا لیتے ہیں) ابو عبید نے کہا کہ مُقوِی وہ جس کے ساتھ توشہ نہ ہو۔ نیز کسی کا توشہ ختم ہو جاتا ہے تو اوس کی نسبت کہتے ہیں اقوی الرجل یعنی اوس کا توشہ ختم ہو گیا "

دیکھا ہوگا۔ اس کے نکالنے کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ گار جو ایک سفید پتھر ہوتا ہے اوس پر سینڈ کے کوئلے میں بسی ہوئی روئی رکھی جاتی ہے اور فولاد کا ایک ٹکڑا لے کر اوس سے پتھر پر ضرب لگائی جاتی ہے۔ اس عمل سے پتھر میں آگ کی چنگاریاں جو چھپی رہتی ہیں نکل کر روئی کو سلگا دیتی ہیں پھر اوس آگ سے جو چاہیں کام لے سکتے ہیں۔

سرسبز درخت سے آگ پیدا ہونا عرب میں دوسرا طریقہ ہے۔ وہاں "مرخ" اور "عفار" نامی درخت ہوتے ہیں اون کی شاخیں لیکر ایک دوسرے کو رگڑنے سے بھی آگ پیدا ہوتی ہے اگرچہ وہ شاخیں سرسبز ہوں کسی ہرے بھرے درخت سے آگ نکلنا قدرت کا عجیب کرشمہ ہے۔ جیسا کہ ہمارے یہاں بانس کی رگڑ سے آگ نکلتی ہے۔ اور ممکن ہے کہ دیگر مقامات میں اس طرح آگ پیدا کرنے کے دوسرے طریقے ہوں جس طرح دیا سلائی سے آگ پیدا ہوتی ہے۔

نارِ دنیا سے نارِ دوزخ کا قیاس ارشاد ہو رہا ہے کہ چقماق سے پیدا ہونے والی آگ پر غور کرو۔ دیکھو کہ آگ جس درخت سے نکلتی ہے اُس کو کس نے پیدا کیا۔ یہ ایجاد تمھاری ہے یا ہماری؟۔

خداوند تعالیٰ شانہ کے مقابلہ میں کون دعوی کر سکتا ہے۔ اور اگر کوئی نادان ایسا جھوٹا دعوی کرنا بھی چاہے تو کون عقل مند اس کو باور کرے گا؟ اسی لئے ارشاد ہوا کہ ہم نے ہی اس کو پیدا کیا۔ اور نہ صرف یہی بلکہ اس میں یہ حکمت بھی ودیعت ہے کہ تم اس آگ کو دیکھ کر نار دوزخ کو یاد کرو کہ جس خدا نے لق و دق بیابان میں تازہ درخت سے آگ پیدا کر کے مسافروں کے کھانے پینے اور اس سے تاپ کر سردی دفع کرنے اور آس پاس کے درندوں کو دور بھگا دینے اور تاریک رات کو روشنی سے مبدل کرنے کا سامان فرمایا جس سے بے یار و مددگار مسافر کو ایسی بیش بہا سہولتیں نصیب ہو رہی ہیں تو حق پسندی اور عبودیت کا اقتضا یہی ہے کہ انسان ایسے منعم حقیقی کا یقین کرے اور اس پر ایمان لائے اوس کے آگے جھک جائے اور بے ساختہ بول اٹھے :۔ سبحان ربی العظیم، میرے آقا! اور سب آقاؤں سے بڑے آقا!! آپ کی ذات منزّہ ہے۔ اور کیا ہی پاک ہے"

تذکرہ اور مقوین کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔

نحن جعلناها تذكرة قال تذكرة للنار الكبرى ومتاعا للمقوين قال للمسافرين۔ (عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم)

ابن مردویہ) یعنی ہم نے اس آگ کو (دوزخ کی) بڑی آگ کی یاد دہی کرنیوالی اور مسافروں کی منفعت کا ذریعہ بنایا ہے۔ قتادہؓ کی روایت میں اس پر اتنا اضافہ اور ہے:۔ کم من قوم قد سافروا ثم ارملوا فاججوا نارا فاستدفأوا بها وانتفعوا بها۔ (عبدالرزاق، ابن جریر) ایسی کتنی قومیں ہیں جو سفر پر روانہ ہوئیں پھر اون کا زادِ راہ ختم ہو گیا تو آگ روشن کی پھر اُس سے سردی دفع کی اور اس سے نفع اُٹھایا۔

پانی، گھانس اور آگ سے نہ روکو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت ہے:۔ لا تمنعوا عباد اللہ فضل الماء ولا کلاءً ولا نارا فان اللہ تعالیٰ جعلها متاعا للمقوین وقوۃً للمستضعفین (طبرانی، ابن مردویہ، ابن عساکر، عن واثلۃ بن الاسقعؓ) اللہ کے بندوں کو بچے ہوئے پانی سے، نیز گھانس سے، اور آگ سے منع نہ کرنا، کیونکہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو مسافروں کی منفعت، اور کم زور لوگوں کی قوت کا ذریعہ بنایا ہے۔

چقماق کی آگ سے قیامت کا ثبوت بہر حال جو خدا سر سبز درخت سے آگ پیدا کر سکتا ہے اوس کے لئے مُردوں کو زندہ کرنا کیا مشکل ہے؟ خشک لکڑی سے آگ کا پیدا ہونا بھی اللہ سبحانہ کی قدرت ہے اگرچہ بادی النظر میں

چنداں تعجب کی بات نہیں اس لیئے کہ خشک لکڑی اور کوئلہ وغیرہ سے تو ہمیشہ ایندھن کا کام لیا ہی جاتا ہے لیکن سرسبز درخت کو آگ سے کوئی مناسبت نہیں اوس میں سے پانی کے عوض آگ کا برآمد ہونا تعجب خیز ہے اور یہ جب اللہ سبحانہ کے نزدیک مشکل نہیں تو مرے ہوئے انسان کو زندہ کر دینا کونسی بڑی بات ہوگی؟ غور کرو اور خوب سوچو سمجھو تاکہ آخرت کی آگ سے نجات ملے۔

عناصر اربعہ سے قیامت کا ثبوت خلاصہ یہ ہوا کہ قطرۂ آب سے انسان کا بننا اور پیدا ہونا، زمین میں بیج بونے سے اوس کا درخت بننا اور بارآور ہونا، کھاری سمندر کے بخارات سے ابر بننا اور اُس سے شیریں خوشگوار پانی برسنا، سرسبز درخت میں آگ پیدا ہونا اور انسان کے کام آنا ان میں سے ایک بھی انسان کے بس کی بات نہیں۔ جیسا کہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے یہ سب کے سب حشر اجساد کے کھلے نشان ہیں جن سے بدیہی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ ایک معمولی مادہ سے دوسری مادی چیز بنتی اور پیدا ہوتی ہے تو انسان کے مرنے اور فنا ہونے کے بعد اوس کا دوبارہ قبر سے زندہ ہو کر برآمد ہونا کیوں کر صحیح اور مطابق عقل نہ ہوگا؟ اور حشر اجساد کے ماننے میں کیوں استبعاد ہے؟

عجب الذنب سے دوبارہ آفرینش حدیث شریف میں ہے کہ حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :۔ لیس من الانسان شیئ الایبلی الا عظم واحد وھو عجب الذنب ومنه یرکب الخلق یوم القیامة (بخاری، مسلم، ابن ماجہ، عن ابی ہریرۃ رض) انسان کی کوئی چیز گلنے کے بغیر نہیں رہتی بجز ایک ہڈی کے جس کو "عجب الذنب" کہتے ہیں۔ قیامت کے دن اسی سے مخلوق کی ہیئت ترکیبی ہوگی" دوسرے موقع پر فرمایا :۔ یاکل التراب کل شیئی من الانسان الا عجب ذنبه مثل حبة خردل منه تنبتون (احمد، عبدالرزاق، ابن حبان، حاکم، عن ابی سعید الخدری رض) مٹی انسان کے ہر عضو کو کھالیتی ہے بجز اوس کے عجب الذنب کے جو رائی کے دانہ برابر (ایک ہڈی) ہوتی ہے تم سب اوسی سے بنینگے" گویا یہی ہڈی انسان کا تخم ہے اور وہ باقی رہتا ہے تو اس سے انسان کا پیدا ہونا بالکل اسی طرح ہوا جیسا کہ بیج سے درخت پیدا ہوتا ہے تو حشر اجساد کی صحت اور اوس کے مطابق واقع ہونے میں کوئی استبعاد نہ رہا۔ یہ بھی شان الٰہی ہے آمنّا باللہ وعلی قدرته الکامله۔

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ۔ بس اپنے باعظمت پروردگار کے نام کی پاکی بیان کیجئے" اس کی تفسیر میں حضرت ابن عباس فرماتے ہیں :۔

فصلّ لربّك ۔ (ابن ابی حاتم) اپنے رب کی نماز ادا کیجئے ۔ مطلب یہ کہ "تسبیح"
سے یہاں "نماز" مراد ہے ۔ چونکہ نماز میں تسبیح بھی کی جاتی ہے اس لئے تسبیح جزو
نماز ہوئی ۔ گویا جزو کہہ کر کُل مراد لیا گیا ہے ۔

تسبیح رکوع کا ماخذ عقبہ بن عامر جہنیؓ فرماتے ہیں : لما نزلت علی
رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم فسبّح باسم ربّك العظیم
قال اجعلوھا فی رکوعکم ۔ (سعید بن منصور، امام احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ،
ابن حبان، حاکم بروایت صحیحہ، ابن مردویہ، بیہقی) جب آیہ کریمہ فسبّح باسم ربّك
العظیم نازل ہوئی تو حضور اکرمؐ نے فرمایا اس کو اپنے رکوع میں شامل کرو "
یعنی رکوع میں سُبحان ربّی العظیم پڑھا کرو ۔ یہاں یہ مراد ہے کہ قیامت کا
کھلا ثبوت، عناصر اربعہ کے ذریعہ مل جانے کے بعد انسان کے لئے کوئی چارہ کار
نہیں ہے بجز اس کے کہ اللہ سبحانہ کے آگے جھک جائیں اور سر تسلیم خم کرتے ہوئے
-75 اوس کے باعظمت تام کی پاکی بیان کریں ۔ فسبحان ربّی العظیم ۔

-76 فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ۝ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ
-77
-78 عَظِیْمٌ ۝ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِیْمٌ ۝ فِیْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۝ لَّا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا
-79
-80 الْمُطَهَّرُوْنَ ۝ تَنْزِیْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ سو میں قسم کھاتا ہوں

تاروں کے ڈوبنے کی، اور یہ قسم ہے سمجھو تو بڑی، بے شک یہ قرآن ہے عزت والا

لکھا ہوا ہے ایک پوشیدہ کتاب میں، اُس کو وہی چھوتے ہیں جو پاک بنائے

گئے ہیں، اُتارا ہوا ہے تمام عالمین کے پروردگار کی طرف سے "

مَوَاقِعُ النُّجُوم کی تفسیر فلا اقسم بمواقع النجوم کی تفسیر میں قتادہؒ کہتے ہیں :۔ منازل النجوم (عبدالرزاق، ابن جریر) میں قسم کھاتا ہوں تاروں کے نیچے اترنے کی جگہ (یا وقت عـہ) کی " دوسرے وقت پر یوں فرمایا :۔ بمساقطھا۔ (عبدبن حمید، ابن جریر) اون کے ساقط ہونے، گر جانے کے مقامات یا اوقات کی قسم " حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں :۔ بمغائبھا (عبدبن حمید) اون کے غائب، اور نظروں سے پوشیدہ ہو جانے کے مقامات یا اوقات کی قسم " اس سے ستاروں کے غروب ہونے کے مقامات و اوقات مراد ہیں کہ ہر ستارہ اپنے مقام اور وقت پر غروب ہوتا ہے۔ مجال نہیں کہ وہ اپنی مقررہ جگہ سے ہٹ سکے یا اوس کے اوقات مقررہ میں تقدیم و تاخیر کی گنجایش نکل سکے۔ اسی سے معلوم ہوا کہ اللہ سبحانہ کا اقتدار ان

عـہ۔ کیونکہ "مواقع" جمع ہے "موقع" کی۔ یہ صیغہ اسم ظرف ہے۔ جو ظرف مکان و زمان دونوں کے لئے آتا ہے۔

اجرام سماویہ پر ہے اور اوسی کے حکم سے یہ نظام شمسی قائم ہے۔ دنیا کے کاروبار اسی نظام کے تحت چلتے ہیں۔ اللہ والے چونکہ وقت شناس اور اوس کے قدرداں ہوتے ہیں وہ بھی اپنے اوقات کے پابند رہتے ہیں۔

مواقع النجوم مواقع سحر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تہجد کے لئے نیند سے بیدار ہوتے تو فرماتے :۔ نامتِ العیون وغارتِ النجوم وبقی الحی القیوم۔ آنکھیں سوگئیں اور ستارے ڈوبنے لگے اور صرف حق سبحانہٗ تعالیٰ کی ذات جوحی قیوم ہے باقی ہے" جو ہمیشہ باقی رہے گی "۔ بے شبہ یہ ایک سہانا موقع ہے کہ تمام کائنات سُنسان ہے۔ درخت حیوانات انسان سب پر سکوت وصموت طاری ہے۔ تخلیہ چاہنے والے ایسے ہی مواقع کے متلاشی رہتے ہیں کہ کب وہ موقع ملے گا جس میں راز و نیاز، سرگوشی ومناجات، عرض ومعروض کیا جاسکے۔ غافل سورہتا ہے مگر عاقل کو نیند کہاں، وہ کروٹیں بدلتا ہوا اختر شماری کرتا ہوا وقت اور محل کا منتظر رہتا ہے۔ جوں ہی وہ موقع آیا اور ادھر سے پکار شروع ہوئی۔ ھل من سائل فاعطیہٗ ھل من تائب فاتوب علیہٗ ھل من مستغفر فاغفرلہٗ۔ کوئی ہے مانگنے والا کہ میں اوس کو اپنے عطایا سے سرفراز کروں، کیا کوئی ہے توبہ کرنے والا کہ اوس کی

توبہ قبول کروں اور کوئی ہے بخشش مانگنے والا کہ میں اوس کو بخش دوں "
اِدھر یہ بندۂ خدا جو منتظر پڑا ہوا ہے فوراً اُٹھ بیٹھتا ہے لبّیك ربّي وسعدیك
والخیر کلّه بیدیك لا ملجأ و لا منجأ منك الّا الیك" حاضر ہوں میرے
پروردگار، آپ کے فضل کا امیدوار، ساری بھلائیاں آپ کے تحت اقتدار،
آپ کے بدوں نہ کوئی پناہ اور نہ آپ بن کوئی قرار : ؎

یہ نازاں جاں نثاری پر، وہ نازاں دل نوازی پر
اِدھر شوقِ اطاعت ہے اُدھر شوقِ عنایت ہے

مواقع النجوم کی قسم باعظمت ہے

الغرض اسی سوال وجواب و راز و نیاز میں مبارک صبح ہو رہی ہے۔ سبحان اللہ کیسا ہے یہ عبد اور اُس کا معبود صاحب الفضل والجود۔ بڑا ہی بدنصیب ہو گا وہ غافل جو اِن اوقات خاص سے بیخبر اور اپنے پالنے والے کے انعام و اکرام سے محروم رہے۔ دُعا ہے کہ اللہ سبحانہ اپنے کرم سے ہمارا پردۂ غفلت اُٹھا دے اور اپنے فضل عمیم سے سرفراز فرمائے۔ آمین۔
گویا اسی لئے ارشاد ہو رہا ہے :۔ فَلَآ أُقۡسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُوۡمِ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوۡ تَعۡلَمُوۡنَ عَظِیۡمٌ ۔ میں قسم کھاتا ہوں اور گواہ ٹھہراتا ہوں تاروں کے ڈوبنے کے مقامات اور اوقات کی، اور یقیناً یہ قسم اے کاش! تم جانتے ہوتے

بڑی باعظمت ہے "۔ غور کیجئے یہاں قسم نجوم یعنی تاروں کی نہیں کھائی جا رہی ہے بلکہ مواقع النجوم یعنی تاروں کے ڈوبنے کے مقامات اور اون کے اوقات کی قسم کھائی جا رہی ہے۔ اور اس کو باعظمت قسم قرار دیا جا رہا ہے۔ غروب ہوتا تارہ کا ایک وصف ہے۔ تو موصوف جس میں اس وصف خاص کے علاوہ اور اوصاف بھی ہیں تو اس موصوف کی عظمت کیسی ہوگی۔ پھر ایسے اوصاف والے تاروں کو پیدا کرنے والے کی عظمت کا اس سے اندازہ کر لیجئے۔ سبحان ربی العظیم۔

مواقع النجوم منازل قرآن حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :—

انزل القرآن فی لیلۃ القدر من السماء العلیا الی السماء الدنیا جملۃ واحدۃ ثم فرق فی السنین و فی لفظ ثم نزل من السماء الدنیا الی الارض نجوما ثم قرأ فلا اقسم بمواقع النجوم۔

(نسائی، ابن جریر، محمد بن نصر، حاکم بروایت صحیحہ ابن مردویہ، بیہقی) قرآن کریم لیلۃ القدر میں سب سے اوپر والے آسمان سے سب سے نچلے آسمان پر یکدم اوتارا گیا۔ پھر وہاں سے متفرق طور پر کئی سال تک زمین پر تھوڑا تھوڑا اترتا گیا، پھر آپ نے آیہ کریمہ فلا اقسم بمواقع النجوم

پڑھی "۔ اس سے معلوم ہوا کہ "مواقع النجوم" سے آپ کی مراد آسمان اول اور زمین کے وہ بقعات ہیں جہاں جہاں سفر و حضر میں حضور انور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر قرآن کریم نازل ہوتا رہا۔ یا اوس کے اوقات نزول ۔

اس کی مزید تشریح آپ کی دوسری روایت سے ہوتی ہے :۔

مواقع النجوم مستقرّ الکتاب اوّلہ و آخرہ (ابن جریر) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مواقع النجوم "قرآن کریم کی جائے قرار ہے اوس کا پہلا مستقر نیز آخری مستقر" نیز کیفیت و کمیّت نزول کے باب میں فرمایا :۔ ثم انزل الی الارض نجوما ثلاث آیات و خمس آیات و اقلّ و اکثر (ابن المنذر، ابن الانباری، ابن مردویہ) پھر زمین کی طرف قسطاً قسطاً نازل ہوتا رہا۔ تین آیات، پانچ آیات اور اس سے کم یا زیادہ "

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں :۔ بمواقع النجوم قال بمحکم القرآن فکان ینزل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم نجوما۔ (فریابی بروایت صحیحہ) مواقع النجوم سے قرآن کریم کی غیر منسوخ آیات مراد ہیں جن کے احکام جاری ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر نجماً نجماً اتری تھیں" مجاہدؒ سے بھی اسی طرح منقول ہے ۔ اس کی تائید آیات ما بعد سے بھی ہوتی ہے

یعنی انہ لقرآن کریم الخ ۔مطلب یہ کہ جس کی قسم کھائی جارہی ہے اور جس کو بطور گواہ پیش کیا جارہا ہے یقیناً وہ قرآن کریم ہے جس کی صفات ایسی ایسی ہیں

حاملین قرآن کریم کے مزارات مقدسہ کی اہمیت

فقیر عرض کرتا ہے کہ "نجوم" سے صحابہ کرام اہل بیت ذوی الاحترام اور اون کے ما بعد تابعین عظام وعلمائے اعلام بھی مراد ہو سکتے ہیں جس کی تفصیل سورۂ والنجم کی تفسیر میں گزر چکی ہے ۔اور حدیث شریف اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم سے اس کی تائید ہوتی ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے اصحاب ستاروں کی طرح ہیں۔تم ان میں سے جس کسی کی بھی اقتداء کرو گے راہ راست پر رہو گے ۔" اس اعتبار سے "مواقع النجوم" اون کے نورانی قلوب اور صدور صافیہ ہوں گے جو قرآن کریم کا مستقر بنے ہوئے تھے نیز اون کے مزارات متبرکہ اور مشاہد مقدسہ ہوں گے جہاں یہ برگزیدہ ہستیاں فیض بخش وفیض رساں جلوہ فرما ہیں ۔روح البیان میں ہے :۔ وقیل النجوم الصحابة والعلماء الهادون بعدهم ومواقعهم القبور ۔یعنی ایک قول یہ ہے کہ "نجوم" صحابہ ہیں اور وہ علماء جو اُن کے بعد ہدایت کا فریضہ انجام دیتے رہے ۔اور "مواقع النجوم"

یعنی ان ستاروں کے غروب ہونے کے مقامات اون کے قبور ہیں کہ ہونگے۔

حاملینِ قرآنِ حکیم کے اوقاتِ وصال کی اہمیت

نیز فقیر یہ بھی عرض کرتا ہے کہ مَواقعُ جمع ہے موقعٌ کی اور یہ اسم ظرف ہے جو ظرفِ مکاں اور ظرف زماں دونوں کے معنی دیتا ہے اور یہاں امکنہ وازمنہ دونوں مراد لئے گئے ہیں جیسا کہ اوپر گزرا۔ اگر ظرف مکاں مراد ہو تو تفسیر روح البیان کی محولہ تصریح کے مطابق مواقع النجوم سے قلوب وصدور اور مزارات اور مشاہد مراد ہوں گے اور اگر ظرف زماں مراد ہو تو انکے اوقات عبادت وقرآن خوانی، تہجد وغیرہ نیز اون کے اوقات وصال اور ساعات ارتحال پر مواقع النجوم کا اطلاق ہوگا یعنی جن اوقات وساعات میں اون کا پیمانہ عمر لبریز ہوا اور وہ عبدیت کی تکمیل کر کے اپنے رفیق اعلیٰ سے جاملے۔ بے شبہ یہ اوقات بھی ایک فضیلت اور منقبت اپنے اندر رکھتے ہیں نیز اس سے بزرگان دین کے اعراس کی اہمیت پر روشنی پڑتی ہے۔ یہ اس بنا پر ہے کہ یہ مقدس ہستیاں قرآنِ کریم کی حامل، اُس پر عامل، اور اُس کی مبلّغ تھیں ان کی زندگی اپنی اپنی حد تک قرآن کریم کی عملی تفسیر تھی رضی اللہ تعالیٰ عنہم وارضاہم عنا آمین۔ اس میں

اوقات تلاوت، تعلیم، تبلیغ و تذکیر و نشر و اشاعت سب داخل ہونگے۔
واللہ اعلم۔

قرآن کریم کی تفسیر بہرحال مواقع النجوم کی قسم کھانے، اور اس کے قسم عظیم ہونے کی تصریح کے بعد ارشاد ہو رہا ہے :۔ اِنَّہٗ لَقُرْاٰنٌ کَرِیْمٌ ۔ بے شک یہ "قرآن" ہے ۔ قرارت کے قابل، اس کو پڑھتے ہی رہنا چاہیئے ۔ اس میں کشش اور جاذبیت کچھ اس درجہ ہے کہ اس کے پڑھنے سے شوق بڑھتا جاتا ہے نہ صرف پڑھنے والے کا بلکہ سننے والے اور دیکھنے والے کا بھی۔ نماز تراویح اس کا زندہ ثبوت ہے ۔ کَرِیْمٌ بڑے کرم والا نہایت ہی باعزت"۔ علوم مہمّہ کا معدن، اصلاح معاش و معاد کا سرچشمہ، امراض نفسانی و روحانی کا مانع، اخلاق فاضلہ اور تمام خوبیوں کا جامع، فقہا اس سے مسائل و احکام اخذ کرتے ہیں ۔ اصولیین اس سے قوانین بناتے ہیں ۔ متکلمین اس سے عقائد اور خیالات درست کرتے ہیں ۔ واعظین اس سے دوسروں کی اصلاح کرتے ہیں ۔ ادیب اس کی بندشوں سے اپنے کلام کو موثر بناتے ہیں ۔ ارباب سیاست اس کے بتائے ہوئے طریقوں سے فتنہ و فساد دور کرتے اور امن و امان قائم کرتے ہیں ۔ حکام اور صاحبانِ عدل

باہمی مناقشات اور نزاعات کا تصفیہ کرتے اور مستحقین کو اون کے حقوق دلاتے
ہیں۔ عارفین اس کے ذریعہ اپنے نفوس و قلوب کا تزکیہ کرکے قرب الٰہی اور نور
عرفان حاصل کرتے ہیں۔ مناظرہ و بحث کرنے والے اس کے ذریعہ باطل کو
توڑتے اور حق کو ثابت کرتے ہیں۔ حفاظ اس کو اپنے سینہ میں جگہ دیتے
اور اس کی تلاوت کو اپنا مشغلۂ زندگی بناتے ہیں۔ قراء خوش الحان اس کو
پڑھ پڑھ کر سامعہ نوازی کرتے اور مشام عالم کو اوس سے معطر کرتے ہیں۔
مجاہدین اپنے جان و مال کی بازی لگا کر مذکورہ علوم و فنون کی اشاعت کیلئے
راستہ ہموار کرتے ہیں۔ مختصر یہ کہ قرآن پاک خود بھی کریم' اس کا مقام بھی
کریم' اس کے پہنچانے والے کِرَامٍ بَرَرَةٍ یعنی باعزت نیک فرشتے '
خدائے کریم کا کلام اور جن پر اتارا گیا وہ ذات گرامی رسول کریم اور واحفادا
پھر آپ سے اس کا استفادہ کرنے والے اہل بیت اطہار' امہات المومنین'
صحابۂ کرامؓ' وہمچنیں مسلسل۔ قرآن کریم بھی ایسا کہ بے مانگے دینے والا۔
اور بلا لحاظ استحقاق دینے والا۔ اور بے حساب دینے والا' کوئی چھوٹا ہو
یا بڑا' غنی ہو یا مفلس' امیر ہو یا فقیر' شاہ ہو یا گدا۔ مسافر ہو یا مقیم' آزاد
ہو یا اسیر' عورت ہو یا مرد' بچہ ہو یا جوان و بوڑھا' عالم ہو یا جاہل' ذکی ہو یا بلید

ہر ایک اس کا حفظ کر سکتا ہے اور ہر شخص اور ہر گروہ اس سے استفادہ کرتا اور اپنے نصیب کے مطابق حصہ لے سکتا ہے۔ یہ ہے قرآن کریم اور اوس کا مائدہ کرم کہ سب کے لئے بچھا ہوا ہے اور صلائے عام دے رہا ہے۔

کتاب مکنون کی تفسیر | فِی کِتَابٍ مَّکْنُوْنٍ۔ یہ ایک چھپی ہوئی محفوظ کتاب میں لکھا ہوا ہے" نہ اس میں کوئی تغیر ہو سکتا ہے اور نہ تبدل۔ نہ اس میں کمی ہو سکتی ہے اور نہ زیادتی۔ نہ اس کے لئے فنا ہے اور نہ زوال۔ لوح محفوظ میں منقوش ہے۔ اور صحیفوں میں مکتوب ہے، سینوں میں محفوظ ہے اور زبانوں پر اوس کا ورد جاری ہے۔ روزانہ پڑھا جاتا اور اوسکی تلاوت کی جاتی ہے۔ نہ صرف عالم انسانیت میں اس کا ذکر ہے بلکہ عالم جن اور عالم ملک و ملکوت میں بھی اس کا چرچا ہے۔ تا آنکہ خود رب العزت جل جلالہ وعم نوالہ نے اس کی حفاظت کا پورا پورا ذمہ لیا ہے۔ ارشاد ہے:—

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ۔ اس یادگار کلام کو ہم نے ہی تھوڑا تھوڑا کرکے اتارا ہے اور ہم خود اس کے محافظ و نگہبان ہیں"

کتاب مکنون کی تفسیر میں اقوال | حضرت انسؓ فرماتے ہیں:—

الکتاب المکنون ھو اللوح المحفوظ۔ (عبد بن حمید ابن المنذر) کتاب مکنون سے

مراد لوح محفوظ ہے" یعنی زمین پر اتارے جانے سے پیشتر وہ لوح محفوظ پر لکھا ہوا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :۔ الکتاب المنزّل فی السماء (آدم، عبد بن حمید، ابن المنذر، ابن جریر، بیہقی) یہی کتاب جو اتاری گئی ہو آسمان پر تھی" یعنی لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر آئی پھر یہاں پہنچی۔ قتادہ اور سعید بن جبیرؓ بھی یہی فرماتے ہیں۔ (عبد بن حمید، ابن ابی داؤد، ابن المنذر، ابن جریر)

عکرمہ کہتے ہیں :۔ کتاب مکنون التوراۃ والانجیل۔ (عبد بن حمید، ابن جریر) کتاب مکنون سے توریت و انجیل مراد ہیں" یعنی قرآن کریم کے نبی آخر الزمانؐ پر اتارے جانے کی پیشین گوئی توریت و انجیل میں لکھا ہے۔ اسی طرح بعض روایات میں توریت و انجیل کی جگہ صحف مطہرۃ اور عند رب العالمین ہے۔ یعنی یہ قرآن کریم پاک صحیفوں میں اور رب العالمین کے ہاں لکھا ہونا بھی آیا ہے۔ ہر روایت اپنی اپنی جگہ درست ہے۔ ان میں تضاد نہیں۔

آیۂ لا یمسہ کی تفسیر | لَا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ ۔ اس کو وہی چھوتے ہیں جو پاک بنائے گئے ہیں" حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :۔ الکتاب المنزّل فی السماء لا یمسہ الا الملائکۃ (آدم، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر

بیہقی) وہ کتاب جو (لوح محفوظ سے) آسمان (اول) پر اتاری گئی اُس کو ملائکہ کرام ہی چھو سکتے ہیں۔ اور اوس کے معانی و مطالب پر وہی اطلاع پا سکتے ہیں جو پاک بنائے گئے ہیں" مطلب یہ کہ جن و شیاطین کی رسائی یہاں تک نہیں ہو سکتی۔ جب وہ اس کے قریب نہیں ہو سکتے تو اس میں کسی آمیزش کا احتمال تک نہیں ہو سکتا۔ یعنی ایسی حفاظت تامہ کے ساتھ قرآن کریم حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر اتارا گیا ہے۔ قرآن کریم کی یہ صفت قدیمہ ہے جس کا تحفظ ضروری ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کی اس تفسیر کی تائید میں حضرت انس، سلمان فارسی، قتادہ، عکرمہ، سعید بن جبیر، ابو العالیہ، ربیع بن انس، مجاہد رضی اللہ عنہم اجمعین کی روایات بھی ہیں۔ جو کتب مذکورہ اور دیگر کتب احادیث شریفہ میں موجود ہیں۔

مسِ مصحف کیلئے طہارت شرط ہے

جب قرآن کریم نازل ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس صفت کی حفاظت کا اہتمام اس حکم اقدس کے ذریعہ فرمایا:۔ لا یمس القرآن الا طاھر۔ (طبرانی، ابن مردویہ عن ابن عمرؓ) "قرآن کو وہی چھو سکتا ہے جو باطہارت ہو"۔ حضور انور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے معاذ بن جبلؓ کو جب یمن کا حاکم بنا کر روانہ فرمایا تو کتب لہ فی عھدہ لا

ان لا یمس القرآن الا طاہر۔ (ابن مردویہ) اون کے فرمان تقرر میں یہ بھی لکھا تھا کہ قرآن کو وہی چھو سکتا ہے جو طہارت کیا ہوا ہو۔" اسی طرح عمرو بن حزم انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اہل نجران کو قرآن کریم اور احکام دین کی تعلیم دینے اور اُن سے زکاۃ وغیرہ وصول کرنے کے لئے روانہ فرمایا تو اون کے منشور تقرر میں بھی یہ صراحت موجود تھی:۔ لا تمس القرآن الا علی طہور۔ قرآن کو با طہارت ہی چھوا کریں۔" یہ ہدایت اگرچہ عمرو بن حزمؓ کے لئے تھی لیکن اس کا حکم عام ہے۔ کوئی اس سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتا۔ غالباً یہ اس بنا پر تھا کہ عمرو بن حزمؓ کم سن تھے۔ پندرہ سال کی عمر میں غزوہ خندق میں شریک ہوئے اور سترہ سال کی عمر میں یہ خدمت ان کے تفویض ہوئی اور نجران روانہ کئے گئے۔ یہ سنہ ١ھ کا واقعہ ہے۔

مضمون بالا کی تائید مس مصحف کا یہ حکم خود آیۂ کریمہ لا یمسہ الا المطہرون سے مستنبط ہوتا ہے کہ کلمۂ لا یہاں "نہی" کے لئے قرار دیا جائے۔ جیسا کہ مفسرین کرام نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ اس اعتبار سے آیۂ کریمہ کے معنی یہ ہوں گے کہ قرآن کریم کو کوئی مس نہ کرے مگر وہ جو باطہارت ہو۔" جس کی تفسیر و تائید احادیث بالا سے ہوتی ہے۔

طہارت ظاہری و باطنی بہرحال قرآن کریم کی ایک خاص شان ہے
اور طہارت کو اوس کے ساتھ خاص لگاؤ ہے۔ غسل کی حاجت ہو تو نہ اوس کا
پڑھنا جائز ہے اور نہ چھونا۔ وضو نہ ہو تو صرف چھونا درست نہیں۔ زبانی
پڑھ سکتے ہیں۔ یہ تو ظاہری طہارت ہوئی جس سے ظاہر قرآن یعنی مصحف
شریف اور اوس کی جلد تک رسائی ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر قرآن کریم کے
باطن یعنی اوس کے معانی و مطالب اور اوس کی حکمتوں اور اسرار تک
رسائی حاصل کرنا ہے تو ضرورت ہے کہ انسان اپنے اعتقاد و اخلاق،
اعمال و افعال کا جائزہ لے۔ اور توبہ و استغفار کے ذریعہ اپنے باطن کی
اصلاح کرے۔ اس طہارت ظاہری و باطنی کی بدولت اوس پر قرآن کریم کے
معارف و اسرار کھلیں گے اور اوس کے برکات و انوار ظاہر ہوں گے
جن کی کچھ توضیح و تشریح علماء و عرفاء نے فرمائی ہے۔ جنھوں نے اپنے
نفوس کا تزکیہ اور قلوب کا تصفیہ کیا اور قرآن کریم ہی اون کا حاصل
زندگی رہا۔

مطہّرون کی تفسیر رہا وہ مقدس گروہ جن کو اللہ سبحانہ نے طاہر و مطہر
بنایا۔ ملأ اعلیٰ میں ملائکہ کرام اور عالم ارضی میں حضرات انبیا و رسل علی نبینا و

علیہم الصلاۃ والسلام خصوصاً حضور انور کے ازواجِ مطہرات اور آپ کے اہل بیتِ اطہار اور اون کی اولادِ امجاد جن کی طہارت کی شہادت خود قرآن کریم دے رہا ہے: لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔ اس اعتبار سے آیۂ کریمہ لا یمسّہ کا منشاء یہ ہوتا ہے کہ رموزِ قرآن حقائقِ قرآن اور اسرارِ قرآن کے فہم کامل کا اس مقدس گروہ کو حصہ وافر ملا ہے۔ مثل مشہور ہے: صاحب البیت ادری بما فیہ۔ کہ گھر میں جو کچھ ہے اوس کو گھر کے لوگ ہی خوب جانتے ہیں۔" امام الصوفیہ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ فتوحات مکیہ کے باب (۱) میں فرماتے ہیں: فھم المطھّرون بل ھم عین الطھارۃ۔ مطہرون سے اہل بیتؑ مراد ہیں جو عین طہارت ہیں۔" کچھ آگے چل کر فرماتے ہیں: ھذہ الآیۃ تدلّ علی ان اللہ تعالی قد شرّک اھل البیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم فی قولہ تعالی لیغفرلک اللہ ما تقدّم من ذنبک وما تأخّر۔ یعنی آیۂ کریمہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ حق تعالیٰ نے اس فضیلت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ آپ کے اہل بیتؑ اطہار کو شریک فرما دیا ہے۔

آیت تطہیر کی شان نزول رہا یہ سوال کہ آیت تطہیر کن کی شان میں

نازل ہوئی اس کی نسبت مشہور صحابی رسول اکرمؐ ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ
حضور انور نے فرمایا:۔ "انزلت هذه الآية فيّ و في علي وحسن وحسين
وفاطمة"۔ یہ آیت تطہیر پانچ کی شان میں نازل ہوئی۔ میرے لئے اور علیؓ
وحسنؓ وحسینؓ وفاطمہؓ کی شان میں"۔ یہی وجہ ہے کہ ان پانچ مقدس ہستیوں کو
"پنجتن پاک" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام الی یوم الدین
اسی مضمون کو جدِ امجد حافظ آیات کلام مبین سیدنا وسندنا حضرت سید محمد بادشاہ حسینی
قادری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک شعر میں یوں ادا فرمایا ہے :

کون ہے ہوئے جو ہمسر حضرت شبیرؓ کا
آیۂ تطہیر نازل آلِ پیغمبرؐ میں ہے
(منقولہ از مثنوی گلزار محبت)

تنزیل الآیہ کی تفسیر | تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ یہ کلام (قرآن کریم)
تھوڑا تھوڑا کر کے آپ پر اتارا گیا ہے"۔

یہاں یہ امر توجہ طلب ہے کہ یہ عظیم الشان کتاب' قرآن کریم جس کے
صفات وہ ہیں جو اوپر گزرے کہ کریم ہے یعنی علوم و معارف' بے مانگے
دینے والی' اور بلا لحاظ استحقاق دینے والی' اور بے حد و حساب دینے والی
ہے یا شفاعت کر کے اللہ سبحانہ سے اس کا اجر دلانے والی ہے جو لوح محفوظ پر

لکھی تھی۔ جہاں پاک بنائے ہوئے ہی رسائی حاصل کرتے تھے۔ زمین پر نازل ہوئی تو حکم ہوا کہ اس کو کوئی بے طہارت نہ چھوئے یا ایسی صفت کے ساتھ آئی کہ طاہرین و مطہرین ہی اوس کے حقائق و معارف تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔ اور خاص طور پر رب العالمین کے پاس سے آئی ہوئی ہے تو وہ کس احترام و اہتمام کی مستحق ہے کہ ہر شخص اوس کو سیکھے پڑھے پڑھائے۔ لوگ اس کو اپنے سینے میں محفوظ رکھیں اور دوسروں تک اوس کو پہنچاتے رہیں۔ جنھوں نے اس کے بموجب عمل کیا وہ کیا سے کیا ہو گئے اور کہاں سے کہاں تک پہنچ گئے خدا ہی گواہ ہے اور تاریخ شاہد ہے مگر کفار مکہ نے کس طرح اوس کا خیر مقدم کیا۔ اوس کا بیان آگے آ رہا ہے:-

-81 اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ[1] لا وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ
-82 اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ۝ اب کیا اس بات میں تم سستی کرتے ہو اور اپنا حصہ تم یہی لیتے ہو کہ اُس کو جھٹلاتے ہو۔ یعنی کیا اس جلیل الشان کلام جس میں

---

[1] دھن فلانا یدھنہ دھناً نافقہ وخدعہ وختلہ ولاینہ ودا ھنہ
(محیط المحیط)
مد اھنۃ غشّہ وصانعہ واظہر لہ خلاف مایضمر وادھنہ بمعنی داھنہ۔

عقائدِ حقہ، اعمالِ صالحہ، اخلاقِ فاضلہ اور زندگی بسر کرنے کے طرق نافعہ بتائے گئے اور خیالاتِ باطلہ، اعمالِ سیئہ، اخلاقِ ردیئہ اور طرق ضارہ سے اچھی طرح واقف کرادیا گیا ہے۔ ایسے پُر منفعت کلام کو منجانب اللہ ماننے اور اس کا خیر مقدم کرکے اوس پر ایمان لاتے ہیں تم سُستی کرتے ہو درحالیکہ تم کو یقین ہوچکا ہے کہ ایسا کلام لانا طاقت بشری سے باہر ہے۔ کوئی اس جیسا کلام تو کیا ایسی ایک سورت بھی بنا کر نہیں لاسکتا تو ایمان لانے میں دیر کیا ہے؟ ایسی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

دھن فلانا اُسی وقت کہتے ہیں جبکہ کسی نے کسی کے ساتھ منافقت کی۔ اوس کو دھوکہ دیا جالیا اور سختی کی جگہ نرمی اور کمزوری دکھائی۔ اور داھنہ کہتے ہیں اُس وقت جبکہ آمیزش کی اور بناوٹ سے کام لیا۔ نیز جو دل میں چھپی بات ہے اس کے خلاف بات ظاہر کی۔ اور داھنہ بھی داھنہ کا ہم معنی ہے۔"

فقیر عرض کرتا ہے داھن کا مصدر مداھنۃ ہے اور مداہنت کے معنی یہ ہیں کہ کسی قابلِ انکار بات یا کام کو دیکھیں اور انکار پر قدرت رکھنے کے باوجود اُسکو نہ روکا جائے یا تو مرتکب کے پاس خاطر سے یا کسی اور کی خاطر سے یا دین سے بے پرواہی کے باعث۔ علماء اور حکام کے لئے مداہنت بُرا عیب ہے۔ اللہ محفوظ رکھے۔ آمین۔

کتاب بے مانگے مل جانے پر تم کو شکر گزار ہونا چاہیے تھا اور مدۃ العمر اس احسان عظیم پر ممنون کرم رہنا چاہیے تھا۔ بجائے شکر کے تم نے اپنا کھانا پینا اور روز مرہ کا مشغلہ یہ بنا رکھا ہے کہ اوس کی تکذیب کرتے ہو اور رات دن اوس کے جھٹلانے کے در پے ہو۔ کیا اس احسان عظیم کی شکر گزاری کی یہی صورت ہو سکتی ہے؟

تکذیب کی ایک مثال

زید بن خالد جہنی رضی فرماتے ہیں: صلی بنا رسول اللہ علیہ وسلم الصبح بالحدیبیۃ فی اثر سماء کانت من اللیل فلما سلم اقبل فقال ھل تدرون ما قال ربکم فی ھذہ اللیلۃ قالوا اللہ ورسولہ اعلم فقال قال ما انعمت علی عبادی نعمۃ الا اصبح فریق منھم بھا کافرین فاما من آمن بی وحمدنی علی سقیای فذلك الذی آمن بی وکفر بالکوکب واما من قال مطرنا بنوء کذا وکذا فذلك الذی آمن بالکوکب وکفر بی۔ (بخاری مسلم ابوداؤد نسائی وغیرہم) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیبیہ میں ہم کو نماز فجر پڑھائی جب کہ رات ہی کو بارش ہو چکی تھی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے (ہماری طرف) متوجہ ہو کر فرمایا کچھ جانتے ہو کہ

شب گذشتہ تمھارے پروردگار نے کیا فرمایا؟ صحابہ نے عرض کیا کہ اللہ
اور اوس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ اس پر فرمایا کہ ارشاد باری یوں ہوا کہ
میں اپنے بندوں پر جو نعمت بھی اتارتا ہوں تو اون کا ایک گروہ اوس کا
انکار کرتا ہے۔ جس فریق کا مجھ پر ایمان ہے اور وہ میرے باران رحمت کی
بنا پر میری حمد کرتا ہے یہ وہی گروہ ہے جو میرا یقین رکھتا ہے یعنی مجھ پر
ایمان لایا ہوا ہے اور ستاروں کا منکر ہے۔ رہا وہ جو یوں کہتا ہے کہ فلاں
کارتی کی وجہ سے یہ بارش ہم پر ہوئی تو اوس کا ایمان ستاروں پر ہے
اور وہ میرا منکر ہے۔" غزوۂ تبوک کے سفر میں بھی اسی مضمون کی ایک
تقریر دلپذیر آپ نے فرمائی تھی۔

ایک اہم امر یہاں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جن لوگوں کا عقیدہ اسی طرح
ہے کہ ستارے اور کارتیاں ہی موثر حقیقی ہیں اور ان ہی کی تاثیر سے برسات
ہوتی ہے تو ایسے کلمات' لاریب کلمات کفر ہیں ایسی باتوں سے ایمان
جاتا رہتا ہے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ کی نعمتوں کو غیر اللہ کی طرف منسوب کر دینا
غور کیجئے کہ ایمان باللہ سے اس کو کیا تعلق ہے؟ نعوذ باللہ منہ مسلمانوں کو
ایسی باتوں سے بچنا چاہیئے۔ ہاں اگر کسی کا اعتقاد یہ ہے کہ بارش وغیرہ

ساری نعمتیں اللہ سبحانہ تعالیٰ کے فضل سے ہیں اور کارتی یا ستارہ محض اوسکی
ایک علامت یا میقات یعنی موسم ہے جو اللہ سبحانہ نے مقرر فرمایا ہے تو
یہ اور بات ہے۔ ایسا کہنا مضائقہ نہیں رکھتا۔ بہرحال ایسے مواقع پر مسلمان کو
محتاط رہنا چاہیئے اس باب میں متعدد احادیث شریفہ وارد ہوئے ہیں۔

قرآن کریم سے روحانی زندگی کا سامان

بارش برسانا، اور اس سے کائنات ارضی کی
حیات دنیوی کا سامان فراہم کرنا جس طرح
پروردگار عالم کا فضل و انعام ہے اسی طرح روحانی زندگی جو ابدی ہے
جس کی کوئی انتہا نہیں یہ بھی اللہ جل شانہ کا فیضان اور اوس کا احسان
و اکرام ہے جو انبیاء مرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین کو مبعوث
فرمایا اور اُن پر صحیفے اور کتابیں نازل فرمائیں از انجملہ بعثت حضور رحمۃ
للعالمین روحی فداہ و تنزیل کتاب مبین ہے جو تیئیس سال تک مسلسل آپ پر
اترتی رہی جس کی صراحت حجۃ الوداع کے موقع پر آیہ کریمہ الیوم اکملت
لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا
کے ذریعہ فرمائی گئی کہ آج میں نے تمہاری (حیات دنیوی و اخروی) کیلئے
تمہارے دین کی تکمیل کردی اور اوس کو معراج کمال پر پہنچا دیا اور اپنی پوری

نعمتیں تم پر اُتار دیں اور تمھارے دین کامل سے جو اسلام ہے خوش ہو گیا
اور خوش ہوں "، جس کے معنی ہیں "مسلمان شدن و گردن نہادن بطاعت"
مطیع و فرماں بردار ہو جانا اور طاعت کے لئے گردن رکھ دینا" اس دین کامل
کے لئے مسلمانوں نے کس طرح گردن رکھ دی، زمانہ شاہد ہے اور تاریخ عالم
اس پر گواہ ہے۔ ایسا ابر رحمت آرہا ہے جو مسلسل برس رہا ہے تو اے گروہ
قریش ! تم اس کا انکار کرتے ہو اور رب العٰلمین کے اتارے ہوئے کلام کو
دوسروں کی طرف منسوب کرتے ہو جس طرح مادی بارش کو ستاروں اور کاریوں میں
کا فعل قرار دیتے ہو غور کرو کہ یہ کہاں کی صداقت ہے ؟ کیا یہ ایمان داری
کی بات ہے ؟

-83 فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ۙ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ۙ
-84 -85 وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ۝ فَلَوْلَآ اِنْ
-86 -87 كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ۙ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

پھر کیوں نہیں جس وقت کسی کی جان پہنچے حلق کو، اور تم اس وقت دیکھ
رہے ہو اور ہم اس کے نزدیک ہیں تم سے زیادہ، پر تم نہیں دیکھتے پھر
کیوں نہیں اگر تم نہیں ہو کسی کے حکم میں تو کیوں نہیں پھیر لیتے اس روح کو

اگر ہو تم سچے ۔"

طلبۂ علوم عربیہ سے خطاب یہاں کلمۂ فَلَوْلَا جو دو جگہ آیا ہے اس کا تعلق تَرْجِعُوْنَهَاسے ہے۔ اصل ارشاد فَلَوْلَا تَرْجِعُوْنَهَا ہے۔ درمیانی کلام کا فصل آگیا ہے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ فَلَوْلَا کہہ کر سامع کے ذہن کو اپنی طرف متوجہ کر لیا جائے اور وہ منتظر رہے کہ کس امر کی نسبت جواب مطلوب ہے؟ سامع کو متوجہ کر لینے کے بعد جو چیز اس سے دریافت طلب ہے اُس کو اسی طرح معلق رکھ کر دوسری حقیقتیں اوس کے سامنے رکھ دیجائیں اگر ایسا نہ کیا جاتا تو جو حقائق اُس کو بتلائے جا رہے ہیں اون کو وہ غور اور توجہ سے نہ سنتا۔ بہرحال قرآن پاک کا ایک ایک طرز خطاب اپنے اندر خاص شان رکھتا ہے۔

قیامت برحق ہونے کا ایک اور ثبوت مطلب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کا کلام یعنی قرآن کریم ہے تم ایسی بے توجہی اور بے خوفی سے سنتے ہو اور اُس کے کلام کو اس طرح جھٹلاتے ہو گویا تم کسی کے حکم اور اختیار میں نہیں ہو۔ اور تم کو کبھی مرنا اور خداوند تعالیٰ شانہ کے حضور میں پیش ہو کر اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی ہی نہیں ہے۔ اگر تمھارا یہی خیال خام

درست ہے تو بتلاؤ کہ تم میں سے کسی کی جان جانے لگتی ہے۔ اُس کے عزیز اقارب، دوست احباب، اُس کے پاس جمع رہتے ہیں۔ ان میں سے ایک کو بھی گوارا نہیں کہ اپنا یہ عزیز قریب اور دوست و محب جدا ہو جائے۔ ہر ایک کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ اس کی جان بچ جائے۔ جبھی تو حکیم طبیب بلائے جاتے ہیں۔ روپیہ پیسہ خرچ کرنے سے دریغ نہیں کیا جاتا۔ یہ ایسا نازک وقت ہوتا ہے کہ بخیل بھی اپنی دولت خرچ کر ڈالنا چاہتا ہے۔ سعدیؒ فرماتے ہیں:

سیم و زر از زمین بہ کان کندن برآید و از دست بخیل بجان کندن۔ یعنی چاندی سونا، کان کھودنے کے وقت زمین سے نکلتا ہے اور بخیل کے ہاتھ سے اُس وقت نکلتا ہے جب کہ "جاں کندنی" کا عالم ہو۔ اگر تم اپنے دعویٰ میں کہ حشر و نشر کچھ نہیں۔ حساب کتاب کچھ نہیں سچے ہو تو پھر اس عزیز اور دوست کی جان، تن سے جدا ہو جانے کے بعد پھر واپس کیوں نہیں لاتے؟ اس سے معلوم ہوا کہ وہی جلانے اور مارنے والا ہے اور وہی دوبارہ زندہ کرے گا۔

قبض روح کی کیفیت | بعض حدیثوں میں آیا ہے:۔ ان ملک الموت له اعوان یقطعون العروق ویجمعون الروح شیئاً فشیئاً حتی ینتھی بھا الی الحلقوم فیتوفاھا ملک الموت (روح البیان) ملک الموت

(حضرت عزرائیل علیہ السلام) کے یار و مددگار (فرشتے) ہیں جو (مرنے والے کی) رگوں کو کاٹتے جاتے اور ہر رگ اور ہر عضو سے روح کو تھوڑی تھوڑی جمع کرتے جاتے ہیں۔ جب یہ سلسلہ حلقوم تک پہنچتا ہے تو اُس کی تکمیل ملک الموت خود کرتے ہیں"۔ چنانچہ یہ امر مشاہد ہے کہ انسان عالم احتضار میں ہوتا ہے تو بسا اوقات اُس کی روح یکدم نہیں نکل جاتی بلکہ اوس کے پاؤں بے حس ہو جاتے ہیں۔ پھر یہ سلسلہ نیچے سے اوپر کی طرف آہستہ آہستہ بڑھتا ہے تا آں کہ دم گڈ گڈی میں کھیلتا رہتا ہے۔ پھر اس کے بعد روح قبض کرلی جاتی ہے۔

عالم احتضار کی کیفیت اور تدبیر

ایسے موقع پر حدیث شریف میں آیا ہے:- احضروا موتاکم و ذکّروھم فانّھم یرون مالا ترون۔ (ابن ابی الدنیا عن عمر بن الخطابؓ) اپنے کوئی عزیز یا دوست احتضار کی حالت میں ہوں یعنی جان کنی کے عالم میں ہوں تو اُن کے پاس موجود رہو اور اُن کو (کلمہ طیبہ یا اللہ کی) یاد دلاؤ۔ کیوں کہ وہ اس وقت ایسی ایسی چیزیں دیکھتے رہتے ہیں جن کو تم دیکھ نہیں سکتے"۔ کیونکہ مرنے والے پر اس وقت عالم برزخ اور عالم آخرت کھل جاتا ہے۔ اس نئے عالم کے پیش نظر ہو جانے سے بیمار کی توجہ اس عالم دنیا سے ہٹ جاتی ہے جس کے

باعث کلمہ وغیرہ پڑھنا بھول جاتا ہے۔ چونکہ یہ ساعت اس جہاں سے اُس کے رخصت ہونے کی آخری ساعت ہے اور زندگی دنیا کا خاتمہ اسی پر ہے اس لئے ضروری ہے کہ خاتمہ بخیر ہونے کے لئے اللہ کی یاد دلائی جائے۔ حدیث شریف میں آیا ہے انّما الاعمال بالخواتیم۔ تمام اعمال کا کارآمد ہونا خاتمہ ہی پر موقوف ہے۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ اوس کو کلمہ یا ذکر الٰہی کی یاد دہانی کی جائے تاکہ وہ توبہ کرلے امانات پہنچادے وصیت کرجائے اس میں بھی اوس کی نجات کا سامان ہے۔

تلقین کلمہ طیبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بھی فرمایا:۔

لقّنوا موتاکم لا آلہ الاّ اللہ واعقلوا ما تسمعون من المطیعین منکم فانّہ یجلّی لھم امور صادقۃ۔ (سعید بن منصور مروزی) اپنے قریب الموت عزیزوں دوستوں اور مسلمان بھائیوں کو لا آلہ الا اللہ کی تلقین کیا کرو اور جو لوگ تم میں اللہ سبحانہ تعالیٰ کے مطیع و فرماں بردار (یعنی بزرگان دین اولیائے صالحین) ہیں اُن سے سُنی ہوئی باتیں یاد رکھو تو اُن کی صحت اور تصدیق اِن مرنے والوں کی باتوں سے تم کو ہوجائے گی۔ کیوں کہ عالم حق ان پر کھل جاتا اور امور صادقہ اِن پر منکشف ہوجاتے ہیں۔"

اس حالت میں وہ جو جو باتیں کہتے ہیں وہ عالم آخرت کی کہتے ہیں جس کا انکشاف اُن پر ہو چکا ہے۔ یہ روایت اگرچہ اصطلاح محدثین میں اثر کہلاتی ہے مگر اس کے مضمون سے پتہ چلتا ہے کہ ایسی اطلاع حضرت عمرؓ اپنی طرف سے نہیں دے سکتے۔ ضرور اس کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم روحی فداہ سے سنا ہوگا۔ لہٰذا قرینہ یہ ہے کہ یہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہے اگرچہ آپ نے حضور اکرمؐ کی طرف اس کو منسوب نہیں فرمایا۔

تلاوت یٰسین شریف احتضار کی حالت میں یٰسین شریف بھی پڑھنے کے لئے احادیث شریفہ میں صراحت آئی ہے اس کی تلاوت مرنے والے کے لئے موجب سہولت ہے یعنی آسانی سے روح پرواز کرتی ہے تکلیف نہیں ہوتی۔ یہاں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ مرنے والے دو حال سے خالی نہیں۔ نیک یا بد۔ بہرحال جیسا انسان ہوتا ہے حدیث شریف میں آیا ہے کہ ویسے ہی فرشتے روح قبض کرنے کے لئے اُس کے ہاں آتے ہیں نیک بندے کے پاس خوب صورت، خوش لباس، معطر، ہنس مکھ، شیریں کلام تلطف و مرحمت کی گفتگو کرنے والے فرشتے آتے ہیں جن کی آمد سے پیشتر وہ مقام خوشبو سے مہک اُٹھتا ہے۔

اور بعض اوقات اس عالم کے رہنے والے بھی اس کو محسوس کر لیتے ہیں کم از کم سکینت وطمانینت کا عالم طاری رہتا ہے۔ نیک بندہ ان کی آمد سے خوش ہوتا اور خوش آمدید کہتا ہے۔ سلام کرتا ہے یا سلام کا جواب دیتا ہے۔ یا بار بار مسکراتا جاتا ہے۔ سابقہ تکلیف' کافور ہوجاتی ہے۔ ایسا معاملہ نیک بندوں کو پیش آتا ہے۔ اللہ سبحانہ ہم کو اور آپ کو اس سعادت عظمیٰ سے سرفراز فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ اور جس کی حالت اس کے برعکس ہوتی ہے اوس کے ساتھ برعکس معاملہ درپیش ہوتا ہے۔ اللہ پاک اس سے محفوظ رکھے آمین یارب العالمین۔ ان حالات میں وہ بندہ خوف زدہ اور ڈراؤنا معلوم ہوتا ہے۔ اس کی زبان سے جو کلمات نکلتے ہیں یا نیک آدمی کی زبان پر جو کلمات جاری ہوتے ہیں اُن سے اللہ و رسول کے مطیع و فرماں بردار بزرگوں سے سُنی ہوئی باتوں کی تصدیق ہوتی جاتی ہے۔ کیوں کہ یہ عالم جو انسان کو درپیش ہوتا ہے وہ اس عالم حیات دنیا سے مختلف ہی ہوتا ہے۔ یہاں حق و باطل' جھوٹ سچ' جائز ناجائز' حلال وحرام سب کچھ مخلوط ہے۔ اور وہ عالم' عالم حق ہے۔ واقعہ ہے۔ نفس الامر ہے۔ مولائے کائنات رضی فرماتے ہیں:۔ الناس نیام' اذا ماتوا انتبھوا لہذا وہاں کی سعادت

مطلوب ہے اور یقیناً مطلوب ہے تو ہمیں سے اس کی سعی کرنی ہوگی ۔ ارشاد باری ہے :۔ لیس للانسان الا ما سعیٰ وان سعیہ سوف یریٰ ثم یجزاہ الجزآء الاوفیٰ ۔ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی اوس نے کوشش کی ۔ اوس کی کوشش کیا تھی عنقریب دکھائی دے گی ۔ پھر اوس کی پوری پوری جزا مل کر رہے گی ۔ وباللہ التوفیق ۔

88 فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۙ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّ
89 جَنَّتُ نَعِيْمٍ ۝ پھر جو وہ شخص اگر ہوا مقرب لوگوں میں تو راحت ہے اور روزی ہے اور باغ نعمت کا ۔

(۸۸ ، ۸۹ ع ۳)

مقربین کا مقام مقربین کون ہیں اور قرب کس طرح حاصل ہوتا ہے اوس کا بیان سورت ہذا کی ابتدا میں گزر چکا ۔ یہاں تقرب کا ثمرہ بیان فرمایا جا رہا ہے کہ یہاں سے رخصت ہونا تو سب کے لئے ہے ۔ رخصت ہونیوالوں کے تین گروہ ہیں ۔ پہلا گروہ مقربین کا ۔ اون کے لئے راحت و رحمت ہے اور شایانِ شان روزی ہے اور نعمتوں سے بھرا ہوا باغ جس میں ہر قسم کے پھول بھی ہیں اور پھل بھی ۔ سایہ بھی ہے اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا بھی ۔ پرسکون مقام بھی اور سیر و تفریح کے مقامات بھی ۔ چمن اور سبزہ زار بھی ہے ۔ پرندوں کے نغمے بھی

ایسی نعمتیں جمع ہیں جو انسان کے تصور اور علم میں ہیں جن کا وہ طلب گار اور خواہش مند ہے اور ایسی ایسی نعمتیں بھی جو اوس کے حاشیۂ خیال میں تک نہ تھیں۔ مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر۔ نہ اون کو آج تک کسی آنکھ نے دیکھا نہ اون سے کسی کے کان آشنا اور نہ کسی کے دل میں اون کا خطرہ تک پیدا ہو سکا کہ کوئی نعمت اس لطف وہی نقہ اور ایسی شیرینی او عطریت اور ایسے افعال و خواص رکھتی ہو۔ یہ افعال و خواص صحت جسمانی کی حد تک محدود نہیں بلکہ اُن سے توفیق و نورانیت پیدا ہوتی ہو۔

مقربین کی جنت ربیع بن خیثمؓ فرماتے ہیں:۔ فاما ان کان من المقربین فروح و ریحان قال ھذا لہ عند الموت وجنۃ نعیم قال تخبأ لہ الجنۃ الی یوم یبعث۔ (ابن ابی شیبۂ امام احمدؒ عبد بن حمیدؒ ابن المنذر) جو کوئی مقربین سے ہو تو اوس کے لئے راحت و رحمت ہے اور روزی۔ تو اس کی تفسیر میں فرمایا یہ رَوح و رَیحان اوس کے لئے وفات کے وقت مہیا کئے جاتے ہیں۔ اور جنت نعیم کی تفسیر میں فرمایا کہ یہ جنت اوس کیلئے پوشیدہ کی جاتی ہے اوس وقت تک کہ قبروں سے اُٹھائے جانے کا دن آجائے اُس دن یہ جنت اوس کو دی جائے گی۔

نیک و بد میں فرق و امتیاز ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :۔ کنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذ مرت جنازۃ فقال مستریح او مستراح منہ فقلنا یا رسول اللہ ما المستریح والمستراح منہ قال العبد المؤمن یستریح من نصب الدنیا واذاھا الی رحمۃ اللہ سبحانہ وتعالی والعبد الفاجر یستریح منہ العباد والبلاد والشجر والدواب ۔ (امام مالکؒ، امام احمدؒ، عبد بن حمیدؒ، بخاریؒ، مسلمؒ، نسائیؒ) ہم حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے۔ اتنے میں ایک جنازہ گزرا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: ـــ یہ یا تو راحت پانے والا ہے یا یہ اوس سے راحت ملنی ہوگی۔ ہم نے عرض کیا مستریح اور مستراح منہ سے کیا مراد ہے؟ ارشاد ہوا کہ بندۂ مومن (وفات پاتا ہے تو وہ) دنیا کی مشقتوں اور اوسکی ایذاؤں سے نجات پاتا اور اللہ سبحانہ تعالیٰ کی رحمت میں جگہ پاتا ہے۔ اور بدکار شخص (کافر مرتا ہے تو اوس) سے تمام بندے اور سارا ملک، درخت اور جانور تک راحت پاتے ہیں ۔" مسلمانوں کو اس ارشاد نبوی پر خوب غور کرنا چاہیے اور صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک وہ جن مشاغل میں لگے ہوئے ہیں سوچنا چاہیے کہ ہمارے افعال و اقوال کا شمار کس نوع میں ہے؟

مومن کے لئے بشارت بہ وقت موت و دفن	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے :۔ ان اوّل ما یبشّر بہ

المؤمن عند الوفاۃ بروح وریحان وجنّۃ نعیم وان اوّل ما یبشّر بہ المومن فی قبرہ ان یقال ابشر برضا اللہ تعالی والجنّۃ قدمت خیر مقدم قد غفر اللہ لمن شیّعك الی قبرك وصدّق من شھد لك واستجاب لمن استغفر لك ۔ (ابن مندہ عن سلمانؓ) سب سے پہلے مومن کو بوقت وفات جو خوش خبری دی جاتی ہے وہ راحت اور خوشبو (پھول) اور جنت نعیم کی خوشخبری ہے ۔ اور سب سے پہلے مومن کو اوس کی قبر میں جو خوشخبری دی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ اُس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کی خوشنودی اور جنت سے خوش ہو جا ۔ تیرا یہاں آنا مبارک ہو ۔ جن لوگوں نے تجھے تیری قبر تک پہنچایا، اللہ نے اُن سب کو بخش دیا ۔ اور جن لوگوں نے تیری بھلائی کی شہادت دی (نہ صرف اون کو بلکہ) جن جن لوگوں نے اون کی شہادت کی تصدیق کی اُن کو بھی بخش دیا ۔ اور جس نے تیری مغفرت کی دعا کی اس کی دعا بھی قبول فرمائی ۔ یعنی دعائے مغفرت کو بھی مستجاب فرمایا اور اُس کی منہ مانگی مراد بھی دی خواہ اپنے لئے ہو یا اور کسی کے حق میں ۔

مقربین بارگاہ الٰہی کی شان کیا ہے اس حدیث شریف سے واضح ہے وفات کے وقت اور قبر میں اتارنے کے وقت جو عالم آخرت کی پہلی منزل ہے۔ موت سے کسی کو چھٹکارا نہیں مگر مقربین کی موت سبحان اللہ کس شان کی ہے کہ اون کے جنازے کو کندھا دینے والے قبر تک پہنچانے والے اون کے تقرب کی شہادت دینے والے اور ان شاہدین کی تصدیق کرنے والے اور اُن کے لئے دُعا کرنے والے تک اُن کی بدولت کیا کیا انعام پاتے ہیں تو مقربین کی سرفرازی کا کیا حال ہوگا اُس پر غور کر لیجئے۔

روح و ریحان کی تفسیر	محمد بن کعب قرظیؒ فروح و ریحان کی تفسیر

میں فرماتے ہیں: — فرج من الغمّ الذی کانوا فیہ واستراحۃ من العمل لا یصلّون ولا یصومون۔ (ابن المنذر) جس غم میں وہ تھے اون کو مرتے وقت ہی اس غم سے نجات مل جاتی ہے۔ اور تمام اعمال شاقہ سے وہ راحت میں ہو جاتے ہیں۔ اب وہ نہ تو نماز پڑھتے ہیں اور نہ روزہ رکھتے" یہ تو ایک کھلی حقیقت ہے کہ اعمال صالحہ اور عبادات مفروضہ وغیرہ تکالیف شرعیہ اس دار تکلیف دنیا کے لوازم تھے۔ جو کوئی یہاں سے گزر جاتا ہے وہ ان تمام پابندیوں سے آزاد ہو جاتا ہے مگر آزادی آزادی میں فرق ہے۔ ایک

آزادی تو اُس کی ہے جس کو اعمال صالحہ سے کوئی دلچسپی نہ تھی اور نہ فریضۂ عبادات کی ادائی میں اس نے کوئی حصہ لیا تھا۔ اسی غفلت میں اُس کی عمر ختم ہوئی اور وہ یہاں سے چل بسا۔ برزخ اور عالم آخرت میں پہنچا تو آنکھ کھلی۔ وہ دیکھتا ہے کہ یہاں جو کچھ مل رہا ہے ان ہی اعمال وعبادات کا ثمرہ ہے جس کا سرمایہ دار دنیا میں فراہم کیا تھا۔ غافل انسان تو غفلت ہی میں پڑا رہا۔ اب اوس کو کف افسوس ملنے اور حسرت ویاس کے سوا کچھ نہیں ملیگا۔ خوشا نصیب اون کے کہ دنیا کی زندگی اعمال صالحہ میں بسر ہوئی اور ہر عبادت فرض اپنے اپنے وقت پر پوری طرح ادا ہوتی رہی اور جو وقت اس سے بچ رہا وہ غم فردا میں صرف ہوتا رہا۔ یقیناً ایسی زندگی اس قابل ہے کہ اس کا خیر مقدم کیا جائے اور اس کو آرام کی نیند سلا دیا جائے۔ سُبحان اللہ۔

محبین ومحبوبین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:۔

من احب لقاء اللہ احب اللہ لقاءہ ومن کرہ لقاء اللہ کرہ اللہ لقائہ فقالت عائشۃ رضی اللہ عنہا انا لنکرہ الموت فقال لیس ذالک ولکن المومن اذا حضرہ الموت بشر برضوان اللہ وکرامتہ فلیس شیئ احب الیہ مما امامہ واحب لقاء اللہ واحب اللہ لقاءہ۔

(بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، عن عبادۃ بن الصامت رضؓ) جو اللہ سبحانہ سے ملنے کو محبوب رکھتا ہے تو اللہ سبحانہ کو بھی اوس سے ملنا محبوب ہوتا ہے۔ اور جو اللہ سے ملنے کو مکروہ جانتا ہے تو اللہ سبحانہ کو بھی اوس سے ملنے سے کراہت ہوتی ہے۔ اس پر ام المومنین سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ (یا رسول اللہ) ہم کو تو موت بُری معلوم ہوتی ہے ۔" حضور انور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ مطلب نہیں ہے بلکہ مومن کے ہاں جب موت آتی ہے تو اوس کو اللہ سبحانہٗ کی خوشنودی اور اوس کے اعزاز کی خوش خبری سنائی جاتی ہے۔ (جب وہ اس کو سن پاتا ہے تو) جو منزل اوس کے در پیش ہے مومن کو اوس سے زیادہ اور کسی چیز سے محبت نہیں رہتی۔ اب وہ اللہ سے ملنے کا مشتاق و دلدادہ ہو جاتا ہے اور ادھر اللہ سبحانہ کو بھی اوسی کا اشتیاق اور اوس کی محبت رہتی ہے۔"

مقربین کیلئے تحفہ ابو العالیہؒ فرماتے ہیں : لم یکن احد من المقربین یفارق الدنیا حتٰی یؤتی بغصن من ریحان الجنۃ فیشمّہٗ ثم یقبض ۔ (ابن جریر، ابن ابی حاتم) مقربین بارگاہ الٰہی میں سے کوئی بھی ایسے نہیں ہوتے کہ وہ اس دار دنیا سے جدا ہو کر چلے جائیں تا آنکہ اون کے پاس جنت کے پھولوں کی ڈالی پیش نہ کی جائے۔ جب وہ اوس کو سونگھ لیتے ہیں تو

اس کے بعد اُن کی روح قبض کی جاتی ہے "۔

کیفیت قبض مقربین حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ انّ المومن اذا حضرته الملائكة بحريرة فيها مسك وضبائر ريحان فتسلّ روحه كما تسلّ الشعرة من العجين ويقال ايّتها النفس الطيّبة اخرجى راضية مرضيًا عنك الى روح الله وكرامته فاذا اخرجت روحه وضعت على ذلك المسك والريحان وطويت عليها الحريرة وذهب به الى علّيّين۔ (بزار، ابن مردویہ) مومن کا وقت آخر قریب ہوتا ہے تو ملائکہ کرام اوس کے ہاں ریشمی کپڑے میں مشک اور پھولوں کے گلدستے لاتے ہیں۔ پھر روحِ مومن کو اوس کے جسد سے اس طرح نکالتے ہیں جیسے گوندھے ہوئے آٹے میں سے بال نکال لیا جاتا ہے (کہ کچھ بھی زحمت درپیش نہیں ہوتی) اور یوں کہا جاتا ہے کہ اے پاکیزہ نفس! خوشی خوشی نکل آ کہ تجھ سے ہر ایک خوشنود و خرسند ہے یہ لے اللہ سبحانہ کی دی ہوئی راحت اور اوس کی عزت۔ جب وہ روح (خوشی خوشی) نکل آتی ہے تو اوس کو اوس مشک اور پھولوں میں رکھ کر اوس ریشمی کپڑے میں لپیٹ لیا جاتا ہے اور اوس کو علیین یعنی بلند ترین مقام رفعت

عزت میں پہنچا دیا جاتا ہے۔"

پھول چڑھانا ان ہی صریح احادیث کے پیش نظر اگر اپنے عزیزوں کے جنازے پر کوئی شخص پھول ڈالے تو اس میں انکار کی کیا بات ہے؟ آخر میت کے کفن میں حنوط (خوشبو) جیسے کافور عطر وغیرہ لگانے کے احکام ہیں۔ عطر کیا ہے؟ پھولوں کا عُصارہ (نچوڑ)۔ اگر کسی نے پھول ہی اوپر سے رکھدیے تو کونسا گناہ ہوا۔ اگر اسلامی سادگی کے پیش نظر حکم نہیں دیا گیا تو یہ اور بات ہے مگر منع بھی تو نہیں کیا گیا۔ بلکہ اصول سمجھا دیا گیا جو کافی ہے۔ اور روایات بھی اس کے مؤید ہیں۔

میت کی معرفت و تذکیر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ مامن میّت الاّ و ھو یعرف غاسلہ ویناشد حاملہ۔ (ابن مردویہ) کوئی میت ایسی نہیں ہوتی جو اوس کو غسل دینے والے کو نہ پہچانتی ہو اور اوس کے اوٹھالے جانے والے کو اللہ سبحانہ کی یاد نہ دلاتی ہو۔" غور کیجئے کہ یہ شناخت اور یاد دہانی کسی خاص میت کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر میت کے لئے عام ہے۔ عالم ہو یا جاہل۔ نیک ہو یا بد، مومن ہو یا کافر۔ یہی سبب ہے کہ

غسل اور حمل میت کے فرائض اعزہ، اقرباء، واحباء انجام دیتے ہیں اور صالحین
اس میں حصہ لیتے ہیں۔ میت کو محض غسالوں کے حوالے کر دینا محبت اور حمیت سے
بعید ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ میت کو جماد محض تصور کرنا بھی نادانی
کی بات ہے۔ میت نے اس جہان سے صرف پردہ کیا ہے۔ اوس کی معرفت
وشناخت، تذکیر و یاددہانی برقرار ہے۔

6-90 وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ۙ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ
6-91 اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ۝ اور جو اگر ہوا وہ داہنے والوں میں، تو سلامتی
پہنچے تجھ کو داہنے والوں سے۔"

سورۂ ہذا کے آغاز میں جن تین گروہ کا بیان ہوا تھا۔ ایک مقربین
اون کا حال ابھی ابھی بیان ہوا۔ یہ دوسرے گروہ کا بیان ہے جو "اصحاب الیمین"
کے لقب سے یاد کئے گئے تھے۔ یعنی اگر وفات پانے والا اصحاب الیمین سے ہے تو
اوس سے کہا جائے گا کہ تیرے بھائیوں کی طرف سے جو وہ بھی اصحاب الیمین سے
ہیں تجھے سلامتی کا پیام دیا جا رہا ہے۔

اصحاب الیمین کو سلام | حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:— تأتیه
الملائكة بالسّلام من قبل الله تسلّم عليه وتخبره انّه من

اصحاب الیمین۔ (ابن جریر، ابن المنذر) اللہ سبحانہ تعالیٰ کی طرف سے ملائکہ کرام اوس کے پاس تحفہ سلام و سلامتی لاتے ہیں اور اس کو سلام کرتے ہیں اور اُس کو اطلاع دیتے ہیں کہ وہ اصحاب الیمین سے ہے۔"

سلامٌ کی تفسیر یہ سلام اور سلامتی کا پیام کیا ہے۔ اوس کی توضیح میں قتادہ رضؓ فرماتے ہیں :۔ سلام من عذاب اللّٰہ وسلّمت علیہ ملائکۃ اللّٰہ (عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر) یعنی تجھے اللہ سبحانہ کے عذاب سے نجات ہے اور اللہ سبحانہ کے بھیجے ہوئے فرشتے اوس کو سلام کرتے ہیں۔" بہرحال اصحاب الیمین جن کا مرتبہ مقربین سے کم ہے اور جن کے کچھ احوال آغاز سورہ پر بیان ہوئے اون کے دم واپسیں میں ملائکہ کرام اس بندۂ مومن کے پاس آتے اور اوس کو سلام کرتے یا سلام پہنچاتے ہیں۔ خواہ یہ سلام اللہ سبحانہ کا ہو یا ملائکہ کرام کا یا اوس کے ہم مرتبہ دیگر اصحاب الیمین کا۔ اوس کے لئے ہر طرف سے سلامتی ہی سلامتی کی خوش خبری سنائی جاتی ہے۔ اگر مومن بدکار بھی ہوا اور توبہ بھی نہ کیا ہو تو دائمی عذاب سے تو وہ محفوظ ہے۔

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ اس سلام و پیام کی سرفرازی پر جان کندنی کے وقت عبد مومن کو جو مسرت ہوتی ہوگی جس کی خوشی میں اپنی نقد جان کو

ہاتھ میں لے کر نذر جان جاناں کرتا اور انوار ربانی و تجلیات رحمانی کا مشاہدہ کرتے ہوئے اس دار فانی سے دار باقی کی طرف خوشی خوشی رخصت ہوتا ہو گا۔ حضرت اقدس دادا پیر سیدنا خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ فرماتے ہیں : ؎

سر یار کے زانو پہ ہے اور رخ پہ نظر آج
اے خلقؒ جو اک دن تجھے مرنا ہے وہ مر آج

کیا عجب ہے کہ عالم ارواح کے نفوس قدسیہ، جن کی محبت کا دم یہ مدۃ العمر بھرتا رہا اور جن کے بتائے ہوئے راستے پر چل کر یہ خود بھی زمرۂ صالحین میں شامل ہوا وہ سب محبوبان خدا نہ صرف پیام غائبانہ دیتے ہوں بلکہ اس کے استقبال کیلئے جلوہ فرما ہوں : ؎

منم وہمیں تمنا کہ بوقت جاں سپردن بہ رخ تو دیدہ باشم تو درون دیدہ باشی

موت صالحین کا ایک منظر یہی سبب ہے کہ دم نزع حالت احتضار میں کتنے جانے والوں کو دیکھا اور ان کا حال سنا گیا کہ سلام کر رہے ہیں۔ سلام لے رہے ہیں مسکراتے جاتے ہیں۔ اور مسرت پر مسرت کا اظہار کر رہے ہیں۔

پیشانی پر مہین سا پسینہ ہے۔ اعضاء نرم پڑ گئے ہیں ۔ ع
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

قوم سے خطاب عزیزو! دوستو! اس وقت موت، موت نہیں۔ حیاتِ جاوید کا پیام ہے۔ ہر طرف سلامتی و سلام ہے۔ یہ موت نہیں بلکہ وہ ایک پل کی طرح ہے جس پر سے عبدِ مومن یہاں سے رخصت ہو کر اپنے احباء سے مل رہا ہے۔ الموت جسرٌ یوصل الحبیب الی الحبیب۔ حضرت مرشدی و والدی سید الشیوخ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:—

خلیق اسلئے موت کو کہتے ہیں وصل لحد میں دکھاتے ہیں چہرہ کسی کا

موت کیوں ناپسند ہے؟ حضرت ابو حازم تابعیؒ سے کسی نے پوچھا:— مالنا نکرہ الموت کیا بات ہے کہ ہم موت کو بری چیز سمجھتے ہیں؟ فرمایا:— لانکم عمرتم الدنیا وخربتم الآخرۃ۔ بات یہ ہے کہ تم لوگوں نے دنیا کو آباد اور آخرت کو برباد کر چھوڑا ہے" اس لئے تم اپنی آبادی کو چھوڑ کر اُس طرف جانا پسند نہیں کرتے۔ سائل نے پھر پوچھا:— کیف القدوم علی اللہ تعالیٰ ہماری حاضری دربارِ الٰہی میں کس نوعیت کی ہوگی؟ تو فرمایا:— امّا المحسن فکالغائب عن اھلہ واما المسیئ فکالآبق علی مولاہ۔ نیک بخت تو اس طرح آئے گا جیسے باہر سے آنے والا اپنے اہل و عیال میں مسرور آتا ہے۔ اور بدکار کی آمد ایسی ہوگی جیسے کسی بھگوڑے غلام کو گرفتار کر کے لایا جاتا ہے—"

اصحاب الیمین میں تمام کلمہ گو اہل اسلام شامل ہیں ۔ اللھم لا تحرمنا اجرھم آمین
اب تیسرے گروہ کا حال بھی اسی سلسلے میں سُن لیجیے ۔ ارشاد ہو رہا ہے :۔

6-92
6-93 وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ۙ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ۙ
6-94 وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ۝ اور جو اگر وہ ہوا جھٹلانے والوں بہکنے والوں میں سے
تو مہمانی ہے جلتا پانی اور ڈالا جانا آگ میں ۔"

یعنی مرنے والا اگر مقربین میں شامل نہ ہوا اور نہ اصحاب الیمین میں شریک ہو سکا بلکہ مدۃ العمر اللہ سبحانہ تعالیٰ کے مبعوث فرمائے ہوئے انبیاء و رسل علی نبینا وعلیہم الصلاۃ والسلام کو نیز رب العالمین جل جلالہ عم نوالہ کی اُتاری ہوئی کتابوں کو جھٹلاتا ہی رہا ۔ اور اس طرح وہ خود گمراہ اور دوسروں کی گمراہی کا سبب بنا رہا تو مرنا اور یہاں سے کوچ کرنا ایسے گروہ کے لئے بھی مقرر ہے ۔ ایسے لوگوں کی بدحالی کیا پوچھتے ہو ۔ ان کی مہمانی کے لئے جلتا ہوا کھولتا ہوا گرم پانی ہے ۔ اور خود ان کو نار دوزخ کا ایندھن بننا ہے ۔

کافر کی موت | بکر بن عبید اللہؒ فرماتے ہیں :۔ اذا امر بقبض روح الکافر اتی بجاد من النار فقیل له اقبضه فیه (ابن ابی الدنیا) ملک الموت کو جب کافر کی روح قبض کرنے کا حکم ہوتا ہے تو وہ آگ کا ایک کمبل لاتے ہیں اور

اُن سے کہا جاتا ہے کہ اس کی روح کو اس کمبل میں قبض کرو۔"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ ان الکافر اذا حضرته الملائکة بمسح فیه جمر فتنزع روحه انتزاعا شدیدا و یقال ایتها النفس الخبیثة اخرجي ساخطة مسخوطة علیك الی هوان الله و عذابه فاذا خرجت روحه وضعت علی تلك الجمرة فان لها تشیشا و یطوی علیها المسح و یذهب به الی سجین ۔ (بزاز ابن مردویہ) کافر جب حالت نزع و احتضار میں ہوتا ہے تو فرشتے اوس کے پاس ٹاٹ کا ایک ٹکڑا لاتے ہیں جس کے اندر چنگاریاں ہوتی ہیں۔ پھر نہایت سختی کے ساتھ اوس کی جان نکالی جاتی ہے اور اس سے کہا جاتا ہے اے خبیث جان! تو ناراض ہے اور تجھ پر بھی ہر طرف سے ناراضی ہے (اس جسد سے) نکل کر اللہ سبحانہ کی دی ہوئی ذلت اور عذاب کی طرف باہر آ۔ جب اوس کی روح نکلتی ہے تو اُن چنگاریوں پر رکھی جاتی ہے جس سے اوس کے پکنے اور جوش کھانے کی آواز آتی ہوگی۔ اوس پر اُس ٹاٹ کو لپیٹ کر سجین (قید خانہ دوزخ) کی طرف پہنچا دیا جاتا ہے۔"

العیاذ باللہ العیاذ باللہ۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :۔ لایخرج الکافر من دار الدنیا حتّٰی یشرب کأسا من حمیم (ابن ابی حاتم) کافر دار دنیا سے نکلنے نہیں پاتا تاآں کہ اوس کو دوزخ کے کھولتے ہوئے پانی کا پیالہ نہ پلایا جائے"

ربیع بن خیثمؒ فرماتے ہیں :۔ فنزل من حمیم قال ھذا عند الموت وتصلیۃ جحیم قال تخبأله الجحیم الی یوم یبعث۔ (ابن ابی شیبہ امام احمد عبد بن حمید ابن المنذر) کھولتے ہوئے پانی سے خاطر مدارات یہ (دنیا ہی میں) موت کے وقت ہوتی ہے اور آگ میں داخلے کو قیامت کے دن تک اٹھار کھا جاتا ہے" دیگر روایات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے یہ سزا کفار کے لئے ہے۔

شراب خوار کی موت | ضحاکؒ فرماتے ہیں :۔ من مات وھو یشرب الخمر شبّح فی وجھہ من جمر جھنّم۔ (ابن ابی حاتم) جو کوئی شراب خواری کرتا ہوا مرتا ہے تو اوس کا چہرہ جہنم کی چنگاریوں سے جلایا جاتا ہے" یہ سزا شراب خواروں کی ہے۔ خواہ وہ کوئی ہوں۔ جو مسلمان اس کی لت رکھتے ہیں اون کو عبرت لینی چاہئے" ضرورت ہے کہ وہ فوراً اس ام الخبائث سے تائب ہوجائیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ موت سر پر آجائے اور توبہ کی مہلت تک

نہ ملے۔ ؎ غافل ز احتیاطِ نفس یک نفس مباش
شاید ہمیں نفس نفسِ واپسیں بود

95
96
95. إِنَّ هَذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِينِ 96. فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ

بے شک یہ بات یہی ہے لائق یقین کے۔ لہذا کہہ پاکی اپنے رب کے نام کی جو سب سے بڑا ہے۔"

مطلب یہ کہ آیات اللہ کو محض جھٹلاتے رہنا کار آمد نہیں ہو سکتا۔ مقربین، مومنین اور مجرمین کے جو احوال، حیات دنیا، عالم برزخ اور دار آخرت سے متعلق اس سورۃ کریمہ میں اور دوسرے مقامات پر قرآن کریم میں بتائے گئے ہیں اور جن کی توضیح و تشریح، احادیث شریفہ اور روایات صحیحہ کے ذریعہ کی گئی ہے، یہی حقیقت حال ہے یقین کرنے کے قابل، ٹھیک طور پر ایک ایک بات جو بتائی گئی اسی طرح ہو کر رہے گی۔ جو لوگ اس میں شکوک و شبہات پیدا کرتے اور دوسروں کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں، وہ خود دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ وقت آئے گا تو ہر ہر بات یقینی طور پر ظاہر ہو جائے گی۔ لہذا

عہ اليقين ازاحة الشك والعلم الحاصل عن نظر واستدلال ولهذا لا يسمى علم الله يقينا۔ واليقين ايضا الموت وفي اصطلاح العلماء اعتقاد الشئ بانه

جو ساعت قیامت آنے والی ہے اوس کے لئے ابھی سے تیاری کرو۔ بڑی تیاری

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کذا مع الاعتقاد بانہ لا یمکن ان یکون الا کذا مطابقا للواقع غیر ممکن الزوال وعند اهل الحقیقۃ رؤیۃ العیان بقوۃ الایمان لا بالحجۃ والبرهان۔ وقیل الیقین علی ثلاثۃ اوجہ یقین خبر و یقین دلالۃ و یقین مشاهدۃ وهو ملاك القلب وبه کمال الایمان۔ وعند المنطقیین هی القضایا التی یحصل منها التصدیق الیقینی۔ وحق الیقین ای خالصه وواضحه (محیط المحیط) شک دور کرنے اور غور و فکر اور استدلال کے ذریعہ علم حاصل کرنے کو "یقین" کہتے ہیں۔ موت کو بھی "یقین" کہا جاتا ہے۔ اہل علم کی اصطلاح میں "یقین" نام ہے کسی شئی کی نسبت اعتقاد کرنے کا کہ وہ ایسی ہے۔ ممکن نہیں کہ اس کے سوا ہو۔ نیز یہ اعتقاد واقع کے مطابق ہو جس کا دور ہونا ممکن نہ ہو۔ ارباب حقیقت کہتے ہیں کہ یقین قوت ایمان کے ذریعہ نہ کہ دلیل و برہان سے کسی چیز کو علانیہ دیکھ لیا جائے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یقین تین طرح ہے۔ خبر سے یقین کرنا۔ دلالت سے یقین کرنا۔ مشاہدے سے یقین کرنا۔ آخری صورت ہی دل نشیں ہے اور یہی کمال ایمان ہے۔ منطقین یقین نام رکھتے ہیں اون قضایا کا جن سے تصدیق یقینی حاصل ہو۔" الیقین من صفۃ العلم

یہ ہے کہ ایسی فضول باتوں کو بالکلیہ چھوڑ کر اپنے باعظمت پروردگار کے نام کی
تسبیح و تحمید، تکبیر و تہلیل میں لگے رہو۔ انسان کا کوئی مشغلہ نہیں ہوتا تو فضول
بکواس اور بیہودہ خرافات میں لگا رہتا ہے۔ مکذبین جو آیات اللہ کو جھٹلاتے
رہتے ہیں اور قرآن کریم کی بتائی ہوئی باتوں میں شکوک و شبہات اور طرح طرح کے
شیطانی وساوس ڈالتے رہتے ہیں۔ اگر انسان کا کوئی مشغلہ ہو اور وہ اوس میں
لگا ہوا ہو تو یہ اخوان الشیاطین اوس کی طرف اپنا رخ کرنے بھی نہیں پاتے۔
اور اگر بندہ مومن، اپنے پروردگار کا باعظمت نام لے رہا اوس کی تسبیح
و تحمید میں مشغول رہو تو پھر اوس کا کیا پوچھنا کہ وہ کس دربار، دربار میں ہے
کیسا مفید مشغلہ اوس کو میسر ہے اور وہ کس جذب و شوق، سوز و گداز یا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

فوق المعرفة والدراية واخواتها يقال علم يقين ولا يقال معرفة
يقين وهو سكون الفهم مع ثبات الحكم۔ وقال علم اليقين وعين اليقين
وحق اليقين وبينها فروق (مفردات) "یقین" علم کے اوصاف سے ہے جس کا درجہ
معرفت درایت وغیرہ سے بالاتر ہے۔ چنانچہ علم یقین کہتے ہیں معرفت یقین نہیں
کہا جاتا۔ ثبات حکم کے ساتھ فہم کے سکون پانے کا نام "یقین" ہے قرآن کریم میں علم الیقین
عین الیقین۔ حق الیقین ارشاد ہوا ہے ان میں کئی اعتبارات سے باہم فرق و امتیاز ہے"

فرح وانبساط کا عالم اپنی نظر کے سامنے رکھے ہوئے متانہ وار محو تسبیح وتحمید ہے، استاذ جلیلؒ نے کیا خوب کہا:

ہے آباد میرے تصور کی دنیا حسیں آرہے ہیں حسیں جارہے ہیں

قرآن کریم پر ہر شخص ایمان لائے گا

حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں:۔

ان اللہ عزوجل لیس تارکا احدا من خلقه حتی یقفه علی الیقین من هذا القرآن فاما المؤمن فایقن فی الدنیا فنفعه ذلک یوم القیامة واما الکافر فایقن یوم القیامة حین لا ینفعه الیقین۔ (عبد بن حمید، ابن جریر) یقین جانو کہ خدائے عزوجل اس قرآن کریم کی حقانیت اور یقین کے موقف پر لائے بغیر اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہ چھوڑے گا۔ (ہر ہر شخص کو یقین کرتے ہی بنے گی فرق صرف اس قدر ہے کہ) مومن دنیا ہی میں اوس کی حقانیت کا یقین کرلیتا ہے تو اوس کا یہ یقین قیامت کے دن اوس کے کام آتا ہے۔ رہا منکر (جو مدۃ العمر انکار ہی پر اڑا رہا) اوس کو روز قیامت یقین ضرور آئے گا (مگر افسوس برحال او وہ ایسا موقع ہوگا کہ) اوس کا یہ یقین اوس کے کچھ بھی کام نہ آئے گا۔

یقین کی تفسیر "یقین" یعنی ایسا علم جس کے بعد کوئی تردد اور شک باقی نہ رہے۔ نفس کو اطمینان حاصل ہو جائے اوس کے حسب ذیل مراتب ہیں۔

علم الیقین ۱۔ "علم الیقین" جو صحیح استدلال، فکر صائب اور ادراک باطنی سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ مقام علمائے ربانیین کا ہے جن کی صفت یؤمنون بالغیب ہے۔ ارواح قدسیہ سے جیسی جیسی مناسبت ان کی بڑھتی جاتی ہے ان کا مرتبہ علمیہ ترقی کرتا رہتا ہے۔ تاآں کہ وہ اعلیٰ مرتبہ علمیہ پر فائز ہوتے ہیں، اگرچہ ان کو مشاہدہ سے تعلق نہیں اور نہ وہ مشاہدہ کے محتاج ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ اگر اون کو مشاہدہ بھی حاصل ہو تو اس کی وجہ سے اون کے علم و یقین میں کسی طرح کا اضافہ نہیں ہوتا۔ جیسا کہ حضرت مولائے کائنات سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں: لوکشف الغطاء ماازددت یقینا۔ اگر پردہ اوٹھا دیا بھی جائے (تو جو علم الیقین مجھے حاصل ہے) اوس میں کچھ بھی اضافہ نہ ہوگا۔"

عین الیقین ۲۔ "عین الیقین"۔ جو معلوم کی رویت اور مشاہدہ سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ مرتبہ ارباب کشف کا ہے جو تزکیہ نفس اور صفائے باطن سے میسر آتا ہے۔ ان کو استدلال اور غور و فکر کی حاجت نہیں۔ اہل استدلال

اور ارباب غور و فکر جن چیزوں کا ادراک علم کے ذریعہ فرماتے ہیں وہ ان اصحاب کشف کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ حجاب اثنینیت یعنی دوئی کا پردہ ان کی آنکھوں سے جیسا جیسا اوٹھتا جاتا ہے اون کا مشاہدہ ترقی پر رہتا ہے تا آں کہ وہ عین الیقین کے مرتبہ اعلیٰ پر فائز ہو جاتے ہیں یہ اولیائے کاملین کا حصہ ہے۔

دل کے آئینے میں ہے تصویر یار جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

حق الیقین ۳۔ "حق الیقین" جو ہر دو مراتب بالا کا جامع اور مدرکات ظاہرہ و باطنہ اور جسمانیت و روحانیت کا مجموعہ ہے۔ اس کی ترقی یہ ہے کہ اس کے حصول کے بعد پھر کوئی حجاب باقی نہ رہے یہ شان حضرات انبیائے کرام علیٰ نبینا و علیہم الصلاۃ والسلام کی ہے۔

حقیقۃ الیقین ۴۔ "حقیقۃ الیقین"۔ یہ حق الیقین کا باطن اور اوس کا سِر ہے۔ یہ مرتبہ اعلیٰ و منزلہ اسنیٰ حضور خاتم النبیین صلوات اللہ وسلامہ علیہ و علیہم اجمعین کے لئے مخصوص ہے۔

مراتب یقین کی تمثیل بعض بزرگوں نے مراتب بالا کی تمثیل اس طرح دی ہے فرماتے ہیں کہ تجلیات تین طرح کی ہیں:۔ تجلی علمی جیسے کعبۃ اللہ شریف کا

کسی کو اوس کا علم پوری طرح کرا دیا گیا مگر دکھایا نہیں گیا۔ دوسری تجلی عینی کہ علم تو نہیں کرایا گیا مگر اوس کی رویت دور سے کرادی گئی۔ تیسری تجلی حقی کہ کسی کو کعبۃ اللہ شریف میں پہنچا دیا گیا۔

یقین دنیا و آخرت میں بہر حال یہ مراتب ثلاثہ حیات دنیا کی حد تک ہیں جب انسان عالم آخرت میں پہنچیگا اوس کو جن جن چیزوں کی خبر یہاں دی گئی تھی اُن سب کو وہاں اُسی طرح پائے گا جیسا کہ اوس سے یہاں بیان کیا گیا تھا۔ مومن کو چونکہ اوس کی تصدیق اور یقین یہیں سے حاصل تھا اسلئے اوس کا ثمرہ اوس کو ملیگا۔ اور کافر چونکہ منکر تھا۔ اوس عالم کا مشاہدہ کرنے اور اوس میں داخل ہونے کے بعد اوس کو علم الیقین عین الیقین حق الیقین سب کچھ حاصل ہو جائیگا مگر وہ حیات دنیا میں انکار کرنے کی وجہ سے اس یقین کا کوئی ثمرہ نہ پاسکے گا۔ حق الیقین کا بیان یہاں آچکا ہے۔ علم الیقین اور عین الیقین کا بیان سورۃ تکاثر میں انشاء اللہ آرہا ہے۔

تسبیح کا حکم فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ۔ لہذا آپ (اے نبی کریمؐ!) اپنے رب کے باعظمت نام کی پاکی بیان کرتے رہیے" یہ خطاب اگرچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے لیکن خطاب عام مراد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب

یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو آپ نے ارشاد فرمایا:۔ اجعلوھا فی رکوعکم۔ اس کو اپنے رکوع میں رکھو" یعنی بحالت رکوع سُبحَانَ رَبِّیَ العَظِیمُ۔ پڑھا کرو۔ جس کی صراحت اوپر ہو چکی ہے۔

تسبیح کی فضیلت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم کلمتان حبیبتان الی الرحمٰن خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔ (بخاری شریف) حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ دو باتیں ہیں جو خدائے رحمٰن کو بہت محبوب ہیں، ان کو زبان پر جاری کرنا نہایت ہی سہل ہے (فردائے قیامت) ان کا وزن میزان عمل میں بہت بھاری ہوگا۔ یعنی خفیف سے عمل پر اجر جزیل مترتب ہوگا۔ وہ دو کلمے یہ ہیں سُبحان اللہ وبحمدہٖ سُبحان اللہ العظیم۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ کی میں پاکی بیان کرتا ہوں اُن تمام اوصاف سے جو اوس کے شایان شان نہیں اور اُسکی تعریف کرتا ہوں اُن تمام اوصاف پر جو اُس کے شایان شان ہیں۔ پاکی بیان کرتا ہوں اللہ سبحانہ تعالیٰ کی جو نہایت ہی باعظمت ہے"

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث شریف کو اپنی معتبر کتاب جامع صحیح

یعنی بخاری شریف کے ختم پر لکھا ہے۔ چوں کہ آج سورۂ واقعہ کی تفسیر ختم ہو رہی ہے اس لئے ہم نے بھی مناسب جانا کہ یہ سعادت حاصل کی جائے۔

سورۂ واقعہ کی اہمیت حضرت مسروقؒ فرماتے ہیں: ۔ من اراد ان یعلم نبأ الاوّلین والآخرین ونبأ الدنیا والآخرۃ ونبأ الجنّۃ والنار فلیقرأ اذا وقعت الواقعۃ (ابن ابی شیبۃ عبد بن حمید ابن المنذر) جس کی خواہش ہو کہ اولین و آخرین کے اہم واقعات کا علم حاصل کرے اور دنیا و آخرت کی مہمات پر عبور حاصل کرے اور جنت و دوزخ کے مہتم بالشان احوال سے واقف ہو تو اس کو سورت کریمہ اذا وقعت الواقعہ کی تلاوت کرنی چاہیئے کہ اس میں یہ تمام مہمات جمع کر دیے گئے ہیں۔ و باللہ التوفیق۔

الحمد للہ والمنہ کہ سورہ واقعہ کی تفسیر ختم ہوئی۔

آئندہ سورۂ حدید کی تفسیر عرض کی جائے گی۔

(ربّ یسر و تمم بالخیر آمین)

چہارشنبہ ۷ ربیع الآخر ۱۳۷۵ھ